حضرت علامہ ڈاکٹر الحاج محمد علی سابین ایدہ اللہ تعالیٰ مبلغ اسلام

صدر و بانی

گرانڈ مسلم مشن (مجلس اتحاد اسلامی عالمی) بمبئی

جس کو

افادۂ اہل اسلام کی خاطر

(مولانا) عبدالوہاب صاحب سکرٹری گرانڈ مسلم مشن نے

اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد (دکن) میں طبع کرا کے

شائع کیا

۱۹۳۶ء

اس نایاب اور اُردو میں پہلی کتاب کو جو تحقیق اور کاوش سے
مرتب کیگئی ہے بندہ ناچیز احقر اپنے محسن و مُربّی بزرگ برادر
اسلامی حضرت نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہ و عزّہ
کے نام نامی پر منسوب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسلام اور اہل
اسلام کو ان کے افادات اور نظر توجّہ سے مستفید فرمائے آمین

خاکسار

محمد علی الحاج سالمین

بمبئی

حالات

حضرت شہربانوؑ

عَدل کا یہ پھل ملا نوشیرواں کی آل کو
بنتِ کسریٰ سیّد سجّادؑ کی ماں ہو گئی

چودھری فدا حسین نوحہ خواں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

درحقیقت یہ عجیب بے مثل ونایاب کتاب ہے۔ کہ جو کچھ اس
میں مرقوم ہوا ہے۔ شمہ اس کا کتب علما، متقدمین میں نہیں ملتا۔
یہاں تک کہ یہ ظاہر ہے کہ کتاب بحار الانوار اور کتاب عوالم
اس طرح کی کتابیں ہیں کہ ان کا مثل ونظیر روئے زمین پر نہیں۔
اور حالات ائمۂ اطہار جس شرح وبسط سے ان دو کتابوں میں
مذکور ہیں۔ کسی کتاب میں مذکور نہیں۔ اور اس کتاب خصائل آل الفضائل
میں جو کچھ مذکور ہوا ہے۔ اس میں سے ایک حصہ محض برکات
افادات سے جناب مولانا المجلسیؒ مصنف بحار الانوار کے مرقوم
ہوا ہے۔ اور مولف کتاب ہذا ایک خوشہ چیں اور فیض یافتہ تصانیف
جناب مولانا سے ہے لیکن باوصف اس کے جو مبحث کہ اس کتاب

بحار کے یا عوالم کے کسی مبحث سے مقابلہ کیا جاوے تو یہ علم الیقین ہر صاحب بصیرت پاک سیرت کو معلوم ہو سکتا ہے کہ جو کچھ بحار یا عوالم میں مرقوم ہے۔ وہ سب تو اس کتاب کے ایک گوشہ میں آگیا ہے۔ اور علاوہ بر آں جو کچھ کہ روایات اور حالات حضرات ائمہ ہداۃ علیہم آلاف الصلواۃ اس کتاب میں مذکور ہیں۔ ان دونوں کتابوں سے کہیں زائد اور کئی حصے افزوں اور متزائد ہیں اور جو نکات اور تحقیقات اور تدقیقات جدیدہ اس میں مرقوم ہیں وہ تو سب کے سب اس کتاب کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور ان میں کا تو ایک شمہ بھی کلام علماء سابقین رضی اللہ عنہم اجمعین میں مرقوم نہیں۔ اور جب کہ بحار سی جامع اور بے نظیر کتاب سے بہ مراتب یہ کتاب زیادہ تر حاوی اور محیط ہے تو اور کتب فارسیہ مثل حیات القلوب و جلاء العیون وغیرہ کو اس کتاب سے کیا نسبت ہے؟ اور اہل ہند کے لیئے جن میں سے بیشتر لوگ زبان عربی نہیں جانتے تو یہ کتاب خصائص الفضائل ایسی نعمت غیر مترقبہ ہے کہ جو امور ان لوگوں کو اس کتاب سے معلوم ہو سکتے

ہیں۔ اِن کا ایک نمونہ بھی بڑے بڑے ارباب فضل وکمال کو جو عربیت کامل رکھتے ہیں معلوم نہیں۔

چونکہ فی الحال بعض مسلمانوں کو دریافت حالات برکت اشتمالات حضرت شہر بانوؑ کی طرف کمال رغبت ہے۔ بناءً علیہ حالات آں مکرمہ معظمہ کے اس کتاب سے منتخب کرکے درج اوراق ہذا کئے جاتے ہیں۔ ان اوراق کے ملاحظہ سے واضح ہوگا کہ جو باتیں ان اوراق میں مرقوم ہیں کبھی گوش زد فضلاء و علماء بھی نہیں ہوئی تھیں۔ تو اور مومنین کا کیا مذکور ہے۔ اور جو کچھ نقل ہوا ہے وہ ان کتب معتمد علیہا سے نقل ہوا ہے جن کا وثوق و اعتماد و اعتبار مثل شمس وسط النہار ظاہر و آشکار ہے۔ اور کسی شخص کے لئے محل تامل و انکار نہیں۔ اور ترجمہ عبارات عربیہ اس احتیاط کے ساتھ ہوا ہے کہ گویا ایک حرف کا اختلاف اصل اور ترجمہ میں نہیں۔ اس کتاب مستطاب کے حواشی پر اصل عبارات بھی کتب عربیہ کے جن کا ترجمہ اس میں ہوا ہے۔ کہیں کہیں مرقوم تھے۔ چنانچہ راقم السطور نے بہ غرض ظہور وثوق و جزالت و حسن ترجمہ کے چند عبارات عربیہ

اولاً نقل کئے بعد اس کے عبارت ہندیہ کتاب خصائل الفضائل کی نقل کی۔ امید ہے کہ حضرات ذوی البرکات مسلمین ملاحظۂ اوراق ہذا سے کمال بشاش اور مسرور اور محظوظ و محبور ہوں۔ اور اگر رغبت حضرات کی معلوم ہوگی تو اور بھی مطالب عالیہ اور تحقیقات عالیہ اس کتاب و دیگر کتب سے منتخب ہو کے درج ہوتے رہیں گے۔
واللہ ولی التوفیق۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت شہر بانوؑ کا مدینہ میں آنا

پس واضح رہے کہ کتاب کافی میں حضرت شہر بانوؑ کا آنا اس طرح پر منقول ہوا ہے۔ الحسین بن الحسین الحسینی رحمہ اللہ وعلی ابن محمد ابن عبد اللہ جمیعاً عن ابراہیم ابن اسحاق الاحمر عن عبد الرحمٰن بن عبد اللہ الخزاعی عن نصر ابن مزاحم عن عمرو بن شمر عن جابر عن ابی جعفرؑ قال لما قدمت ابنت یزدجرد علی عمرؓ اشرف لها عذارے المدینة واشرق المسجد بضوئها لما دخلت فلما نظر الیها عمرؓ غطت وجهها وقالت اف بےروج باد اهرمز فقال عمرؓ شتمتنی هذه وهم بها۔ فقال له امیر المومنینؑ لیس ذلک لک خیرها

رجلاً من المسلمین واحسبها بفنیہ فخیر فجاءت حتی وضعت یدها علی راس الحسینؑ فقال لها امیر المومنینؑ ما اسمک۔ فقالت جہاں شاہ فقال لہا امیر المومنینؑ بل شہربانویہ ثم قال للحسینؑ یا اباعبداللہ لیکون لک منہا خیر اہل الارض فولدت علیؑ ابن الحسینؑ۔ اور بحار کی گیارھویں جلد میں اس حدیث کو بصائر الدرجات سے اس طرح پر نقل کیا ہے۔ ابراہیم ابن اسحاق عن عبدالرحمٰن بن عبداللہ الخزاعی عن نصر بن مزاحم عن عمرو بن شمر عن جابر عن ابی جعفرؑ قال لما قدم بابنۃ یزدجرد علی عمرؓ وادخلت المدینۃ اشرف لہا عذارے المدینۃ واشرق المسجد بضوء وجہہا وقالت اف بیروح بادا ہرمز۔ قال فغضب عمرؓ وقال تشتمنی ہذہ وہم بہا۔ فقال لہ امیر المومنینؑ لیس لک ذلک اعرض عنہا تختار رجلاً من المسلمین ثم احسبہا بفیئہ علیہ۔ فقال عمرؓ اختاری۔ قال فجاءت حتی وضعت یدہا علی راس الحسینؑ ابن علیؑ۔ فقال لعیر المومنینؑ ما اسمک۔

فقالت جہاں شاہ۔ فقال بل شہربانویہ ثم نظر الی الحسینؑ فقال یا اباعبداللہؑ لیلدلک منہا غلام خیر اہل الارض۔ اور کتاب خرائج سے شیخ قطب الدین راوندی کی اس روایت کو اس طرح بحار میں نقل کیا ہے۔ روی عن جابر عن ابی جعفرؑ قال لما قدمت ابنۃ یزدجرد ابن شہریار آخر ملوک الفارس وخاتمہم علی عمرؓ وادخلت المدینۃ استشرف لہا عذارے المدینۃ واشرق المجلس بضوء وجہہا ورأت عمرؓ فقالت ہرمز فغضب عمرؓ وقال شتمتنی ہذہ العجلۃ وہم بہا۔ فقال لہ علیؑ لیس لک انکار علی مالا تعلمہ وامر ان ینادی علیہا فقال امیرالمومنینؑ لایجوز بیع بنات الملوک وان کن کافرات ولکن اعرض علیہا ان یختار رجلاً من المسلمین حتے تتزوج منہ وتحسب صداقہا علیہ من عطائہ من بیت المال یقوم مقام الثمن فقال عمرؓ افعل واعرض علیہا ان تختار فجاءت فوضعت یدہا علی منکب الحسینؑ فقال چہ نام داری اے کنیزک یعنی ما اسمک یا صبیۃ۔ قالت جہاں شاہ فقال بل

شہر بانویہ قالت تلک اختی قال راست گفتی اے صدقت
ثم التفت الی الحسینؑ فقال استحفظ بہا واحسن الیہا فستلد لک
خیر اہل الارض فی زمانہ بعدک وہے ام الاوصیاء الذریۃ
الطیبۃ فولدت علیؑ ابن الحسینؑ زین العابدینؑ ویزدے
انہا ماتت فی نفاسہا بہ وانما اختارت الحسینؑ لانہا رأت
فاطمہؑ واسلمت قبل ان یاخذ ہا عسکر المسلمین ولہا قصۃ
وہے انہا قالت رأیت فی النوم قبل ورود عسکر المسلمین کان
محمدؐ رسول اللہؐ دخل وارنا وقعہ مع الحسینؑ وخطبنی لہ و
زوجنی منہ۔ فلما اصبحت کان ذلک یوشر فی قلبی وما کان
لی خاطر غیر ہذا۔ فلما کان فی اللیلۃ الثانیۃ رأیت فاطمہؑ
بنت محمدؐ قد اتتنی وعرضت علے الاسلام واسلمت ثم قالت
ان الغلبۃ تکون للمسلمین وانک تصلین عن قریب الی ابنی الحسینؑ
سالمۃ لا یصیبک بسوءٍ احد۔ قالت وکان من الحال ان خرجت
الے من المدینۃ ماسں یدی النساں۔

آنا حضرت شہربانو کا مدینہ میں اپنے وطن پدری سے اور نکاح ہونا ان کا امام حسین علیہ السلام سے بروایت کافی و بصائر و خرائج

اور بحار کی گیارہویں جلد ایک کتاب سے جس کا نام بہ سبب کرم خوردگی کے صاف نہیں معلوم ہوتا۔ حال حضرت شہربانوؑ کے آنے کا اس طرح نقل کیا ہے۔

قال ابو جعفر محمد ابن جریر بن رستم الطبری لیس التاریخی لما ورد سبی الفرس الی المدینۃ اراد عمرؓ ابن الخطاب بیع النساء و ان یجعل الرجال عبیدہ فقال لہ امیر المومنینؑ ان رسول اللہؐ قال اکرموا کریم کل قوم۔ فقال عمرؓ قد سمعتہ یقول انا اتاکم کریم قوم فاکرموہ وان خالفکم۔ فقال لہ امیر المومنینؑ۔ ھولاء قوم قد القوا الیکم السلم ورغبوا فی الاسلام وانا اشھد اللہ و اشھدکم انی قد اعتقت نصیبی منہم لوجہ اللہ تعالی۔ فقال جمیع بنی ھاشم قد وھبنا حقنا ایضا لک لذلک۔ فقال اللھم اشھد انی اعتقت ما وھبو

الی لوجہ اللہ۔ فقال المهاجرون والانصار قد هبنا حقنا لك یا اخا الرسولؐ۔ فقال اللهم اشهد انهم قد وهبوا ایضا الی حقهم وقبلته واشهدك انی قد اعتقتهم لوجهك۔ فقال عمرؓ انقضت علی عربی فی الاعاجم فما الذی ارغبك عن رائی فیهم۔ فاعاد علیه ما قال رسول اللہؐ فی اکرام الکرماء۔ فقال عمرؓ قد وهبت للہ ولك یا ابا الحسنؑ ما یخصّے وسائر مالم یوهب لك۔ فقال امیر المومنینؑ اللهم اشهد علی ما قالوه وعلی عتقی ایاهم۔ فرغب جماعة من قریش فی ان یستنکحوا النساء۔ فقال امیر المومنینؑ هن لا یکرهن علی ذلك ولکن یخیرن ما اخترنه عمل به فاشار جماعة الی شهر بانویه بنت کسری فخیرت وخوطبت من وراء الحجاب والجمع حضور۔ فقیل لها من تختارین من خطابك وهل انت ممن تریدین لبعل فسکتت فقال امیر المومنینؑ ارادت وبقی الاختیار فقال عمرؓ وما علمك بارادتها البعل؟ فقال امیر المومنینؑ ان رسول اللہؐ کان اذا اتته کریمة قوم لا ولی لها وقد خطبت یأمر ان یقال لها انت راضیة بالبعل؟ فان استحیت وسکتت جعل

اذ نہا صاحبتہا وامرتزد یجہا وان قالت لا لم یکرہ علی ما تختارہ۔ وان شہربانویہ اریت الخطاب فاومات بیدہا واختارت الحسین ابن علیؑ ۔ فاعید القول علیہا فی التخییر فاشارت بیدہا وقالت ھذا ان کنت مخیرۃ وخطب امیر المومنینؑ ثم قال انت شہربانویہ واختك مرواریدابنۃ کسری قالت اریہ۔

اور دسویں جلد میں بحار کی کتاب مناقب ابن شہرآشوب علیہ الرحمہ سے اس قصہ کو بدیں عبارت نقل کیا ہے۔

لما ورد سبی الفرس الی المدینۃ اراد عمرؓ ان یبیع النساء وان یجعل الرجال عبید العرب وعزم ان یحمل العلیل والضعیف والشیخ الکبیر فی الطواف حول البیت علی ظہورھم۔ فقال امیر المومنینؑ ان النبیؐ قال اکرموا کریم قوم وان خالفوکم وھؤلاء الفرس حکماء کرماء قد القوا الینا السلم ورغبوا فی الاسلام و قد اعتقت منہم لوجہ اللہ حقی وحق بنی ہاشم فقالت المہاجرون والانصار قد وھبنا حقنا لك یا اخا رسول اللہؐ ۔ فقال اللہم فاشہد انہم قد وھبوا منی وقبلت واعتقت۔ فقال عمرؓ سبق الیہا

علیؑ ابن ابی طالب ونقض عزمتی فی الاعاجم ۔ ورغب جماعتہ فی بنات الملوک ان یستنکحوھن فقال امیر المومنینؑ نخیرھن ولا نکرھھن فاشار اکبرھم الی تخییر شہربانویہ بنت یزد جرد فحییت وابت فقیل لھا ایاکریمتہ قومھا من تختارین من خطابک وھل انت راضیۃ بالبعل ؟ فسکتت ۔ فقال امیرالمومنینؑ قد رضیت وبقے الاختیار بعد سکوتھا اقرارھا ۔ فاعادوا القول فی التخییر ۔ فقال لست ممن یعدل عن النور الساطع والشہاب اللامع الحسینؑ ان کنت مخیرۃ ۔ فقال امیر المومنینؑ لمن تختارین ان یکون ولیک ؟ فقالت انت فامر امیر المومنینؑ حذیفتہ بن الیمان ان یخطب ۔ فخطب ۔ فزوجت من الحسینؑ ۔

اور کتاب عیون اخبار الرضا میں شیخ صدوق محمد بن بابویہ قمی کی جس روایت میں حضرت شہربانوؑ کا آنا بیان ہوا وہ یہ ہے ۔

حدثنا الحاکم ابو علی الحسین بن احمد البیہقی قال حدثنی محمد ابن یحیٰے الصولی قال حدثنی عون ابن محمد قال حدثنی

سہل بن القسم النوشجانی قال قال الرضاؑ بخراسان ان بیننا وبینکم لنسباً۔ قلت وما ھو ایھا الامیر؟ قال ان عبد اللّٰہ ابن عامر بن کریز لما افتتح خراسان اصاب ابنتین لیزدجرد بن شہریار ملک الاعاجم۔ فبعث بھما الی عثمانؓ ابن عفان فوھب احدھما للحسنؑ والاخرے للحسینؑ فماتتا عندھما نفسادین کانت صاحبۃ الحسینؑ نفست بعلیؑ بن الحسینؑ فکفل علیاً لبعض امھات اولاد ابیہ فنشا وھو لایعرف اُمّا غیرھا ثم علم انھا مولاتہ فکان الناس یسمونھا امہ۔

اور فتوح العجم میں واقدی کی یہ قصہ اس طرح منقول ہوا ہے۔

ان ھاشم بن عتبۃ تبع المنھزمین من جنود الملک فانتھے سیرہ الی مرج حلوان فالتقے بکتیبۃ من اھل الفارس بالعدۃ السلاح والھوادج والخدم والجواری والممالیک وقد ادرا لجفۃ من العود الرطب وعلیھا من الثیاب الملونۃ المذھبۃ وھلا لاتھا من الذھب مرصعۃ بالجواھر وھے تأخذ بالابصار

فلما راے هاشم ذالک کتر علیهم بکتیبة وحملوا بجملتهم قال فصبروا لهم وقاتلوا دون المحفة قتالاً شدیدا وکانت المحفة تشاه زنان ابنة الملک یزدجرد ابن کسرے وکان السائر بها سیافر ابن هرمز فقتل وقتل اصحابه ماکان مع سافرو ولے الباقی منهم منهزمین وتسلم هاشم المحفة وماحولها واتوا بذلک کله الی سعد وعلموه بان ابنت کسرے لعیهم فقرا سعد قوله تعالے "قل اللهم مالک الملک" الایة ثم اشرف سعد علے ما لقی من الخزائن فوجد ظاهره صندوقا عظیما وباطنه بالدیباج المذهب وفی داخله بساط وهو البساط الذی کان لیفتخر بها علے الملوک ملوک الدنیا۔ کله ذهب منسوج بالحریر منظوما بالدرر والیواقیت الملونة والمعادن والزمرد والجواهر المثمنا وکان طوله ستین ذراعا قطعة واحدة فی جانب منه کالصور وفی جانب کالشجر والریاض والازهار والجانب کالارض المزروعة المبقلة بالنبات یعنی الربیع وکل ذلک من الحریر الملون والمعادن علے قصبان الذهب والزمرد

والفضۃ وکان الملک لا یبسطہ الا فی ایام الشتاء فی ایوانہ اذا
قعد للشراب وکانوا یسمونہ بساط النزہۃ والمسرۃ فیکون لھم شبہ
الروضۃ الزھراء۔ فلما راوہ العرب قالوھذہ واللہ قطیفۃ زینۃ
فلما قسم سعد علی الناس الغنائم اصاب الفارس اثنے عشر الف
دینار وکلھم کانوا فرسان ولم یکن فیھم راجل ولخرج للغائبین من
النساء والحریم فی الحیرۃ نصیبھم وقسم الدرر بین الناس وکان
قد ولی القبض عمرو ابن عمر المدائن فی شہر صفر واخرج الخمس
لعمرؓ ابن الخطاب واراد ان یقتسم البساط فلم یدر کیف یقسمہ۔ فقال
سعد معاشر المجاھدین انی رائیت من الرای ان ارسلہ الی عمرؓ
یصنع فیہ ما یختارہ فاجابوا عن لسان واحد نعم ما رأیت ایھا الامیر
فردوہ الی صندوقہ واضافہ الی الخمس وکتب الی عمرؓ یقول۔
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الی امیر المومنین عمرؓ ابن الخطاب من عاملہ
علی العراق سعد ابن ابی وقاص امابعد فسلام علیک وانی احمد اللہ
الذی لا الہ الا ھو وصلی علی نبیہ محمد علی ما منحنا بالظفر علی العدو
الذی اطاع شیطانہ وارنے فی سیدان العجمی عنانہ۔ وقد اجرانا اللہ

سبحانہ علی جمیل العادات واخذنا الملک من یزدجرد بن کسرے
فی کثرۃ اعوانہ جاشت الھیبۃ دیارھم وضربت الملئکۃ وجوھھم
وادبارھم۔ ذلک بان اللہ مولے الذین آمنوا و ان الکافرین لامولے
لھم وقد انھزم عدو اللہ بعد ما قتلنا جندہ و اخذنا ابنتہ وانا
منتظرون امرک فی ما یکون بعد ھذا و نحن مقیمون علی المدائن
والسلام علیک وعلی جمیع المسلمین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ وسلم
الکتاب والمال الی بشیر وضم الیہ خمس مائۃ فارس وسلم الیہ ابنۃ
کسرے بحضتہا وخدمہا۔ اور بعد چند سطور کے لکھا ہے وصل
بشیر بالمال ومعہ ابنۃ الکسرے۔ پھر اور چند سطور کے بعد
جن کا ترجمہ متن میں نہیں ہوا ہے مرقوم ہے۔ ثم قص البساط قطعا
بین الناس واصاب کل رجل منہم قطعۃ فباعہا بنحو العشرین
الف دینار۔ پھر چند سطور کے بعد لکھا ہے۔ فلما فرغ عمر من
ذالک امر بابنۃ کسرے ان یوقفوھا فوقفت بین یدیہ وعلیہا
من الحلے والحلل والزینۃ والجواھر شئی کثیر۔ وامر ان
ینادے علیہا فقال للمنادی ازل عنہا ھذا المتاع لینظر یدی

ثمنها۔ فتقدم الیہما المنادی لیستزلی عنہما ذلک فامتنعت و ضربت فی صدرہ فغضب عمرؓ وہم ان یعلوھا بالدرۃ وھے تبکی فقال علیؑ کرم اللہ وجہہ مہلاً یا امیر المومنینؓ فانی سمعت رسول اللہؐ یقول ارحموا عزیز قوم ذل وغنی قوم افتقر۔ فسکن غضب عمرؓ نظر الیہا فاذا ھا تحدق بالنظر الی الحسینؑ ابن علیؑ رضی اللہ عنہ فقال عمرؓ سمعت رسول اللہؐ یقول اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ و فی امرے ھذہ الجاریۃ تحدق بنظرہا الی الحسینؑ بن علیؑ وما خفی علی انہا اراد تہ من دون الناس اجمعین لان ما فینا اصبح وجہا منہ ثم قال یا ابا عبد اللہ خذ ھا الیک ھدیۃ منی الیک فشکر علی ومن حضر من المسلمین۔ بعد اس کے اور امور واقدی نے بیان کئے ہیں۔ جن کو اس قصہ اسیری حضرت شہربانوؑ سے کچھ تعلق نہیں۔ یہاں تک کہ بعد چند اوراق کے بیان کیا ہے۔ لہ کان من قضاء اللہ وقدرہ ان ابن کسرے لما انہزم من مدائن مضے الی حلوان و انضاف الیہ کل من وصل الیہ من اہل بیتہ من من الاساورۃ و المرازبۃ والدیلم وغیرھم۔ فقام خطیباً و ذکر

زوال ملکہ واسرابنۃ ذخزائنہ واموالہ دیکھے وبکت ارباب دولتہ۔
ثم قال یا اھل الفارس ان الدنیا دینۃ الافعال سریعۃ الزوال
قریبۃ الارتحال وھذا ملککم قد زال وعزکم قد حال دیارکم قد
سکنت ومعاقلکم قد اخذت وحصونکم قد ھدمت واموالکم
قد ذھبت وبناتکم قد سبیت۔

واضح رہے کہ جن نسخوں سے عبارت عربیہ نقل ہوئی
ہے۔ غلط اور کرم خوردہ تھے بالخصوص نسخہ تاریخ واقدی زیادہ تر
غلط تھا۔ اب عبارت کتاب خصائل الفضائل یہاں سے نقل کیجاتی
ہے۔ جناب ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی نے کتاب کافی میں
اور شیخ عالی مقام محمد بن حسن الصفار نے کتاب بصائر الدرجات
میں بہ لفظ و عبارت واحد وسند واحد۔ و علامہ ذی الاحترام جناب
سید قطب الدین راوندی نے کتاب خرائج الجرائج میں بہ حذف
سند بہ لفظ مختلف و مضمون متقارب حال عقد برکت اشتمال والدہ
حمیدہ خصال کا جناب امام زین العابدین علیہ السلام کے ساتھ
خامس آل عبا علیہ الالف التحیۃ والثنا کے جابرؓ سے روایت کیا ہے۔

اور جابرؓ نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔ اور ترجمہ تینوں روایتوں کا یہاں بطور جمع کے لیا جاتا ہے۔ اور جہاں کہیں کچھ اختلاف روایات کا ہو گیا ہے۔ اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ اور مضمون روایتوں کا جہاں کچھ زیادہ مختلف ہے وہاں علیحدہ علیحدہ ہر روایت کی عبارت کا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جب یزدجرد بن شہریار کی بیٹی کو گرفتار کر کے حضرت عمرؓ ابن الخطاب کے پاس مدینہ میں لائے تو زنان باکرہ تک نے مدینہ کی ان کو جھانک جھانک کے دیکھا کوٹھوں سے۔ اور خرائج میں یہ عبارت یہاں زیادہ ہے کہ یزدجرد آخر بادشاہان عجم اور خاتمہ ان کا تھا۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس وقت تمام مسجد نور جمال عدیم المثال سے اس شاہزادی کے روشن ہو گئی تھی۔ جب ان کی نگاہ حضرت عمرؓ پر پڑی تو انھوں نے اپنا منہ چھپا لیا اور روایت کافی و بصائر کہنے لگیں کہ افیروج باد اہرمز عالم جلیل ملا خلیل علیہ الرحمہ شرح کافی میں لکھتے ہیں۔ کہ افیروج میں پہلے الف ہے

اور اس پر پیش ہے۔ اور بعد اس کے ف ہے اس کو زیر ہے۔ پھر یائے تحتانی ہے اور اس کے بعد نون ہے اور یہ نون اور یائے ماقبل دونوں ساکن ہیں۔ اور اس کے بعد رائے مضموم اور واؤ اور جیم ہے۔ اور اس لفظ کے معنی ہیں بد روزگار۔ اور ممکن ہے کہ یہ لفظ یوں ہو اف بیروج باد اہرمز۔ اور اف جدا ایک لفظ ہوکہ حضرت عمرؓ کو دیکھ کے ازراہ افسوس و نکہ یت انقلاب روزگار حضرت شہربانو نے اُف پہلے کہا ہو اور بعد اس کے "بیروج باد اہرمز" کہا ہو۔ اور معنی بیروج باد اہرمز کے یہ ہیں کہ بدبخت و بدروزگار ہو ہرمزد۔ مگر اس صورت میں اف اور بیروج علحدہ علحدہ دو لفظیں لکھنا چاہیئے۔ یہاں تک عبارت ملا خلیل کی ہے۔ اور میں یعنی راقم ان اوراق کا یہ کہتا ہوں کہ اس لفظ کو بعض شارحان کافی نے اف بیروج علحدہ علحدہ پڑھا ہے اور لکھا ہے کہ بیروج کی اصل بیروز ہے۔ صورت زائے معجمہ جیم سے بدل گیا ہے۔ اور شرح ملا صالح علیہ الرحمہ میں لفظ بیروز وارد کر کے اس کا ترجمہ ویسا ہی کیا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اور بعض

نسخوں میں بحار کے لفظ بیروز بجائے بیروج کے اصل عبارت میں دیکھا گیا ہے۔ ملا خلیل علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ خسرو ہرمز پرویز کا باپ ہے اور بہ معنے بادشاہ بزرگ کے بھی یہ لفظ آتا ہے یعنی ہرمز شاہ بزرگ کو بھی کہتے ہیں۔ اور بہرصورت حضرت شہربانو نے اس فقرہ میں خسرو پرویز کو برا کہا ہے۔ اور بد دعا دی ہے۔ اس لئے کہ اس نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط کو جو آپ نے بہ نام اس کے لکھا تھا براہ تحقیر و عداوت چاک کر ڈالا تھا۔ اور ابتدائے عداوت مابین اسلام اور ارباب ایران کے یہی ہوئی تھی۔ اور رفتہ رفتہ انجام اس کا یہ ہوا کہ اہل اسلام نے ملک ایران پر چڑھائی کی۔ اور اس ملک کو فتح کیا۔ اور شاہ زادیوں کو وہاں کی قید کر کے لے آئے۔ تو حضرت شہربانو نے ان باتوں کا خیال کر کے خسرو کو بُرا کہا ہے۔ مگر چونکہ قاعدہ صرف عرب میں ہے کہ جس کو برا کہنا منظور ہوتا ہے اس کے باپ کو بھی برا کہتے ہیں تو حضرت شہربانو نے خسرو کو جو بُرا کہا اور نفرین کی تو اس کے باپ کا نام لیکے

جس طرح ایران میں اگر کسی کو بُرا کہنا منظور ہوتا ہے تو کہتے ہیں بر پدرش لعنت۔ تو اصل میں حضرت شہر بانوؑ نے خسرو کو بد کہا ہے اور اس کے بد کہنے کے لئے اس کے باپ ہرمز کو کہا ہے ملا خلیل علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت شہر بانو نے خود ہرمز ہی کو بد دعا دی ہے۔ اور برا کہا ہے اور یہ بات نہیں ہے کہ خسرو کی وجہ سے اس کو بد دعا دی ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہرمز نے اپنے زمانۂ سلطنت میں کہ مورخین نے تیرہ برس کا زمانہ اس کے ایام سلطنت کا لکھا ہے۔ اور تیرہ ہزار اشراف، و اکابر اور اہل علم اور حکماء اور دانش مندوں کو قتل کیا تھا و اول سبب تباہی و بربادی خاندان سلاطین ساسانیہ کا کہ اور چونکہ فارسی میں مثل عربی کے یا ہندی کے یہ قاعدہ نہیں ہے کہ اگر بادشاہ مرد ہو تو اسے زبان عربی میں ملک اور عورت ہو تو ایک ہائے تانیث اس میں بڑھا کے اُسے ملکہ کہہ دیں۔ علیٰ ہذا القیاس ہندی میں بھی قاعدہ ہے کہ بادشاہ کا بیٹا ہوگا تو اسے شاہ زادہ کہیں گے اور بیٹی ہوگی تو اسے شاہ زادی کہتے ہیں۔ اور گو کہ لفظ شاہ زادہ

فارسی ہے مگر ہندی کا اس میں تصرف جاری ہوتا ہے فارسی میں یہ بات نہیں کہ لفظ مذکر میں کوئی اور لفظ بڑھا کے اسی لفظ کو مونث کر ڈالیں۔ بلکہ زبان فارسی میں جداگانہ ایک لفظ بولی جاتی ہے۔ جس طرح کہ مرد اگر بادشاہ ہو تو اسے شاہ کہینگے۔ اور عورت اگر بادشاہ ہو تو بجائے شاہ کے اس کے لئے جدا ایک خطاب معین ہے۔ یعنی اسے بانو کہیں گے۔ تو ملا خلیل علیہ الرحمہ یہ سمجھے ہیں کہ جہاں شاہ مردانہ نام ہے عورتوں کا خطاب رہنا اس لفظ کے ساتھ خلاف محاورہ عجم ہے۔ بلکہ عورتوں کا اگر وہ خطاب دیا جائے جس کے معنی اور جہاں شاہ کے لفظ کے معنی ایک ہوں تو جہاں بانو کہنا چاہئیے۔ اس وجہ سے ملا خلیل علیہ الرحمہ کے نزدیک جناب امیر علیہ السلام نے حضرت شہر بانو کا نام بدل دیا۔ بعد اس کے ملا خلیل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دوسری وجہ یہ ہے کہ جہاں شاہ بہ معنے بادشاہ عالم سوا جناب باری تعالیٰ عز اسمہٗ کے کوئی نہیں ہوسکتا ہے۔ مگر شہر بانو یہ کی لفظ اچھی ہے۔ اور اس عبارت سے مطلب ملا خلیل علیہ الرحمہ کا یہ ہے۔ کہ شہر کا بادشاہ

اور حاکم تو بادشا کو کہ سکتے ہیں مگر جہاں کا مالک یا حاکم سوائے جناب اقدس الٰہی کے اور کسی کو کہنا روا نہیں ہے۔ پس لفظ شاہ کی جو حضرت نے بانو کی لفظ کے ساتھ بدل دی تو اس کی وجہ تو پہلے بیان ہوئی کہ عورت کو موافق قاعدہ زبان فارسی کے شاہ نہ کہنا چاہئے۔ بلکہ بانو کہنا چاہئے۔ اور جہاں کی لفظ جو آپ نے بدل دی یعنی جہاں بانو ان کا نام نہ رکھا بلکہ شہر بانو ان کا نام رکھا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں کا مالک ان کو کہنا خدا پرستوں کے نزدیک درست نہیں ہے۔ ہاں شہر بانو کہ سکتے ہیں اس لئے حضرت نے ان کا نام شہر بانو رکھدیا۔ اور کتاب خرائج میں اس مقام پر یہ عبارت اور زیادہ ہے کہ حضرت کے جواب میں پھر شہر بانوؑ نے عرض کی کہ یہ نام جو آپ نے لیا یعنی شہر بانو یہ میری بہن ہیں۔ حضرت نے بہ زبان فصیح ارشاد فرمایا راست گفتی یعنی سچ کہا تم نے۔ راقم حقیر کہتا ہے کہ اس روایت میں خرائج کی اور کافی اور بصائر کی روایت میں جو کچھ اختلاف ہے وہ یوں رفع ہوسکتا ہے۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ حضرت شہر بانوؑ کا نام اپنے گھر کا

شاہ جہاں ہو اور اس کی بہن کا نام شہر بانو ہو۔ اور جناب امیر علیہ السلام اس بات کو جانتے ہوں پہلے سے یا باوصف حضرت شہر بانو کے عرض کرنے کے پھر حضرت نے وہی نام جو ان کی بہن کا خود شہر بانو رکھ دیا ہو اور جہاں شاہ کو بدل دیا اور چونکہ سوا حضرت شہر بانو کے ان دوسری بہن کا نشان اس روایت میں کہیں نہیں معلوم ہوتا ہے۔ تو یہ اعتراض کوئی شخص نہیں کر سکتا ہے کہ دو حقیقی بہنوں کا ایک نام رکھ دینے سے شبہ پڑے گا۔ اور کچھ تمیز باقی نہ رہے گی اس لئے جب ان دوسری بہن کا پتہ بھی نہیں تو کچھ شبہ نہ پڑیگا۔ فقط یہی مخدرہ اس نام سے مشہور رہیں گی اور اگر بالفرض دونوں موجود ہوتیں تو جب بھی کوئی مقام اعتراض نہ تھا۔ اس لئے کہ جس طرح امام حسینؑ کے چند بیٹوں کا ایک ہی نام علی اور چند بیٹیوں کا ایک ہی نام فاطمہ تھا مگر تمیز کے لئے فقط لفظ اکبر و اصغر کے بیٹوں کے نام ہیں۔ اور لفظ کبرے و صغرے کے بیٹیوں کے نام میں بڑھا دئے گئے ہیں۔ یہاں بھی کوئی لفظ نام کے ساتھ بڑھا دی جاتی۔ لیکن چونکہ دوسری بہن غیر معروف ہیں اس وجہ سے

یہ نام حضرت شہربانو والدہ امام زین العابدینؑ کا بلاقید مدیتر مشہور رہا۔ اور کچھ کسی لفظ کے ملانے کی احتیاج نہیں ہوئی۔ یہ روایت خرائج بعد اس کے جناب امیر علیہ السلام نے امام حسین علیہ السلام سے فرمایا کہ انھیں بہت اچھی طرح پر رکھنا اور اچھی طرح پر ان سے پیش آنا کہ ان کے بطن سے عنقریب تمھارا وہ فرزند پیدا ہوگا کہ اپنے زمانے میں تمام اہل زمین سے بہتر ہوگا بعد تمھارے۔ اور یہ شہزادی عنقریب والدہ اوصیا، مادر ذریتہ طیبہ ہوں گی۔ اور یہ روایت کافی و بصائر فقط یہ ارشاد کیا کہ یا اباعبداللہ تمھارا ایک لڑکا ان کے بطن سے ہوگا کہ جو اہل زمین سے بہتر ہوگا۔ یہ روایت کافی و بصائر و خرائج حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بعد اس کے اسی شہزادی کے بطن سے امام زین العابدین علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور عبارت حدیث کی یہاں تمام ہوگئی۔ اب بعد اس کے علامہ قطب الدین راوندی خرائج میں لکھتے ہیں کہ یہ روایت میں آیا ہے۔ کہ جب نفاس ولادت جناب امام زین العابدین علیہ السلام حضرت شہربانوؑ کو عارض تھا اسی زمانہ میں انتقال فرمایا یعنی زچہ خانے

میں قضا کی۔ پھر علامہ راوندی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ اور سبب پسند کرنے کا ان کے امام حسین علیہ السلام کو یہ تھا۔ کہ انھوں نے خواب میں جناب فاطمہؑ کو دیکھا تھا۔ اور قبل اس کے کہ اہل اسلام کا لشکر ان کی ولایت میں داخل ہو وہ اسلام لا چکی تھیں۔ بعد اس کے علامہ راوندی لکھتے ہیں کہ یہ قصہ خود حضرت شہربانوؑ کے یوں منقول ہے۔ کہ قبل اس بات کے کہ لشکر اہل اسلام ہماری ولایت میں آئے میں نے ایک روز جناب رسالت مآبؐ کو خواب میں دیکھا کہ وہ حضرت میرے گھر میں تشریف لائے اور آ کے بیٹھے۔ اور امام حسین علیہ السلام بھی ان کے ساتھ ہیں۔ اور جناب رسالت مآبؐ نے میری خواستگاری عقد کی جناب امام حسین علیہ السلام کے ساتھ کی۔ اور میرا نکاح ان کے ساتھ کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو یہ بات میرے دل میں ایک تاثیر اور ہیجان پیدا کیا اور سوا اس خواب کے دن بھر اور کوئی خیال میرے دل میں نہ آیا۔ جب دوسری شب آئی۔ تو میں نے جناب فاطمہؑ کو خواب میں دیکھا کہ وہ میرے پاس تشریف لائی ہیں اور دین اسلام انھوں نے مجھے بتایا اور میں

مسلمان ہوئی اور بعد اس کے انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ مسلمان
تمھارے ملک پر غالب ہوں گے اور تم بہت جلد میرے فرزند حسینؑ
کے پاس پہنچ جاؤ گی اور کوئی شخص کوئی بدی تم تک نہ پہنچا سکے گا
فرماتی ہیں کہ جیسا میں نے خواب میں دیکھا تھا ویسا ہی ہوا کہ مجھے
کسی شخص غیر کا ہاتھ کبھی نہیں لگا۔ اور واضح رہے کہ کیفیت اسیری
اور عقد نکاح کو حضرت شہر بانوؑ کے جناب مولانا المجلسی نے دسویں
جلد میں بحار کی کتاب المناقب علامہ ماز ندرانی جناب ابن شہر آشوب
سے اور آٹھویں اور گیارہویں جلد میں ایک اور کتاب سے اور
طرح نقل فرمایا ہے اور مصنف نے اس کتاب کی جس کی عبارت
بحار میں نقل ہوئی ہے لکھا ہے کہ ابو جعفر محمد بن جریر بن رستم
طبری نے کہ جو تاریخی نہیں ہیں اس قصہ گرفتاری و عقد کو حضرت
شہر بانوؑ کے بیان کیا ہے چنانچہ قبل اس کے کہ جو کچھ کہ جناب
مولانا المجلسی نے آٹھویں اور دسویں اور گیارھویں جلد میں بحار کی
نقل کیا ہے اس کا ترجمہ کیا جاوے اول ایک امر اہم لائق بیان
ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ محمد بن جریر طبری دو شخص ہیں ایک

صاحب تاریخ مشہور کہ علماء جلیل الشان سے اہل علم سے کے ہے۔
اور دوسرے محمد بن جریر طبری صاحب کتاب دلائل الامامۃ کہ جو
ہمارے علماء مقبولین سے ہیں۔ اور اس امر کو ہمارے علماء نے
اور علماء اسلام نے بھی اپنی اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے چنانچہ
علماء اسلام میں سے ابن ابی الحدید نے اس حال کو اور حالات
کو ان دونوں عالم جلیل کے کہ ایک ان میں سنی تھا اور ایک شیعہ
مذہب بہ شرح وبسط شرح نہج البلاغہ میں لکھا ہے۔ اور جناب
مولانا المجلسی نے مقدمات بحار میں یعنی جلد اول میں کتاب مذکور کے
ذیل نام ان مصنفوں کے جن کی کتب سے بحار میں احادیث نقل
کئے ہیں جہاں ان محمد ابن جریر طبری صاحب کتاب دلائل الامامۃ
کا ذکر کیا ہے۔ اس مقام پر فرماتے ہیں۔ کہ یہ محمد بن جریر طبری
تاریخی مخالف مذہب نہیں ہیں بلکہ یہ وہ ہیں جن کو نجاشی علیہ الرحمہ
لکھتے ہیں۔ کہ محمد بن جریر طبری آملی جن کی کنیت ابو جعفر ہے۔
نہایت جلیل القدر علماء سے ہیں۔ اور بہت ذی علم ہیں۔ لیکن چونکہ
محمد ابن جریر طبری دونوں شخصوں کا ایک نام ہے لہذا اکثر ہمارے

علماء جہاں کہیں روایت ان محمد ابن جریر طبری سے کرتے ہیں جو
شیعہ مذہب ہیں تو لکھدیا کرتے ہیں کہ یہ تاریخی نہیں ہیں۔ چنانچہ
بحار الانوار کی گیارہویں جلد کے بعض نسخ موجود ہیں بہ وساطت ایک
ماخذ کے جس کا نام بہ سبب سقم و بوسیدگی نسخہ حاضرہ کے بہ خوبی مفہوم
نہیں ہوتا انھیں محمد ابن جریر ابن رستم طبری سے حضرت شہر بانو کے
آنے کی روایت کو نقل کیا ہے۔ اور اسی لحاظ سے کہ محمد ابن جریر طبری
کے نام سے کسی شخص کو یہ توہم نہ ہو کہ یہ کلام محمد بن جریر طبری سنی المذہب
کا ہے۔ جہاں محمد بن جریر طبری کا نام لکھا ہے۔ ان کے نام کے لکھنے
کے بعد لفظ لیس التاریخی لکھدی ہے۔ تاکہ ظاہر ہو جائے کہ اس
روایت کو انھیں عالم مقبول نیز ذکر کیا ہے۔ نہ دوسرے عالم مورخ مشہور
نے۔ اور مصنف ریاض الشہادۃ نے بہ سبب اس کے کہ عبارت
بحار کی ان کی سمجھ میں نہیں آئی۔ اس روایت کو تاریخ طبری کی طرف
منسوب کردیا حالانکہ نسبت دینا اس روایت کا تاریخ طبری کی طرف
محض غلط ہے۔ یہ روایت انھیں ابوجعفر محمد بن جریر ابن رستم طبری
نے نقل کی ہے جو تاریخی نہیں ہیں۔ اور علماء مقبولین امامیہ سے ہیں۔

اور اس وقت پانچ نسخ جلد یازدہم بحار الانوار کے زیر نظر راقم السطور ہیں۔ منجملہ ان کے ایک نسخہ میں یہ عبارت جو محمد بن جریر طبری سے منقول ہوئی ہے موجود ہے۔ اور چار نسخے اس عبارت سے خالی ہیں۔ اور ریاض الشہادۃ کے ملاحظہ سے ظاہر ہے کہ جو کچھ اس کے مصنف نے اس کتاب سے نقل کیا ہے۔ اگرچہ حوالہ بحار کے توسط کا نہیں دیا ہے۔ لیکن دراصل کل روایات جو جلد ثالث میں اس کی مرقوم ہیں بحار سے ماخوذ ہیں۔ پس چونکہ یہ روایت ریاض الشہادۃ میں موجود ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نسخہ جلد یازدہم بحار۔ جو مصنف ریاض الشہادۃ کا ماخذ ہے اس میں یہ روایت موجود ہے اور بحار کی مجلدات غیر مشہورہ جب یکے بعد دیگرے مقابلہ کئے جاتے ہیں تو کل مجلدات غیر مشہورہ میں اس کے اس قسم کا اختلاف موجود ہے۔ کہ بعض روایات بعض نسخ میں مرقوم اور بعض نسخ میں محذوف بلکہ مجلدات مشہورہ جو چھپ گئی ہیں ان کے بعض نسخ سے بھی جس طرح کہ مجلد ہشتم بحار کی کتاب الفتن ہے۔ یہ امر بخوبی ظاہر ہے۔ کہ ان نسخ مشہورہ کے نسخ منقول عنہا میں سے یہ اختلاف

موجود تھا۔ پس بعض نسخ مجلد یازدہم میں اس روایت کا مذکور نہ ہونا مقام استبعاد و استغراب نہیں۔ بہ ہر صورت خلاصۂ روایت طبری وجناب علامہ ابن شہر آشوب مازندرانی کا بطور جمع کے یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ کہ جب اسیران فارس مدینہ میں وارد ہوئے تو بہ روایت طبری حضرت عمرؓ نے چاہا کہ مردوں کو غلام اور عورتوں کو کنیز بنادیں اور بہ روایت علامہ مازندرانی مردوں کی نسبت یہ بھی ارادہ کیا کہ اس خدمت کے لئے مقرر کرے کہ جو لوگ بیمار یا ضعیف ہوں یا پیرسن رسیدہ ہوں اور ناطاقت ہوں ان کو یہ لوگ اپنی پیٹھ پر لاد کے طواف خانۂ کعبہ کروایا کریں۔ جناب امیرؑ نے ارشاد کیا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اکرموا کریم کل قوم یعنی عزت کرو اور آبرو کرو ہر قوم شریف اور عزت دار کی۔ بہ روایت طبری حضرت عمرؓ حضرت سے یہ سن کے کہنے لگے کہ میں نے بھی رسول اللہؐ کو دیکھا ہے کہ جب کسی قوم کا شریف و ذی عزت حضرتؐ کے سامنے آتا تھا تو فرماتے تھے اتاکم کریم قوم فاکرموہ وان خالفکم یعنی یہ ایک عزت دار اپنی قوم کا تمھارے پاس آیا ہے اس کی

آبرو کرو اگرچہ تمھارا مخالف مذہب ہے۔ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں۔ کہ انھوں نے تم سے باپ چاہا۔ اور دین اسلام میں رغبت کی۔ اور یہ روایت علامہ مازندرانی یہ بھی فرمایا۔ یہ لوگ عقلاؤ شرفا ہیں۔ اور یہ روایت طبری یہ بھی ارشاد کیا کہ ان لوگوں میں ایسے لوگ بھی ضرور ہوں گے کہ جو اپنی قوم کے رئیس و پیش ہو۔ اور میں تو خدا کو گواہ کرتا ہوں۔ کہ ان قیدیوں میں میرا جو حصہ ہے وہ میں نے راہ خدا میں آزاد کیا۔ حضرت سے یہ سنتے ہی جتنے بنی ہاشم تھے انھوں نے کہا کہ ہم نے بھی جو جو ہمارے حصے اور ہمارے حقوق ان قیدیوں میں ہیں۔ ہم لوگوں نے وہ سب اپنے اپنے حقوق راہ خدا میں آپ کو بخشے۔ کہ آپ ان کو بھی آزاد کر دیجئے۔ حضرت نے فرمایا کہ خداوندا تو گواہ ہو کہ میں نے ان کے حقوق جو انھوں نے مجھے ہبہ کیے ان کے ہبہ کو قبول کر کے تیری راہ میں آزاد کیے۔ مہاجرین اور انصار نے بھی عرض کی کہ اے برادر رسولؐ ہم نے بھی اپنے اپنے حقوق آپ کو بخشے۔ حضرت نے فرمایا کہ الہی تو گواہ ہو کہ انھوں نے اپنے اپنے حقوق مجھے بخشے اور میں نے قبول کیا اور تیری راہ میں آزاد کر دیے۔

حضرت عمرؓ کہنے لگے کہ عجموں کے بارے میں جو میری رائے تھی اسے آپ نے بگاڑ دیا میں نے تو چاہا تھا۔ کہ ان کو لونڈی غلام بناؤں اور ان سے کام خدمت لوں۔ یا ان کو بیچوں اور ان کو ذلت ہو اور اہل اسلام کو منفعت پہنچے مگر آپ نے وہ راہ بگاڑ دی اس لئے کہ اتنے حصے آزاد ہوئے یہ کیا سبب ہوا کہ آپ نے میری رائے کے خلاف کیا؟ حضرت نے وہی قول جناب رسالت مآب کا بیان کیا اور یہی وجہ ارشاد کی کہ بموجب ارشاد و عمل جناب رسول اللہ صلعم کے آبرو داروں کا حفظ آبرو ضرور چاہئے حضرت عمرؓ کو ارشاد حضرت کا پسند ہوا۔ اور کہنے لگے کہ اے ابو الحسن میں نے بھی جو کچھ حصے کہ ان قیدیوں میں باقی ہیں۔ اور آزاد نہیں ہوئے ہیں ہبہ کئے۔ حضرت نے فرمایا کہ الٰہی تو گواہ رہنا ان باتوں کا جو کچھ ان لوگوں نے کہا اور کیا اور میں نے ان سب قیدیوں کو راہ خدا میں آزاد کیا۔ بعد اس کے ایک گروہ نے منجملہ قریش کے ارادہ کیا کہ یہ عورتیں جو آزاد ہوگئیں ہیں ان سے نکاح کریں۔ حضرت نے فرمایا کہ اس بارے میں جبر و زبردستی نہیں ہوسکتی۔ مگر ان عورتوں کو اختیار دیا جاوے جس عورت کا جو جی چاہے

وہ کرے اور جو اس کا جی چاہے وہی اس کے ساتھ عمل میں آوے۔ اگر
کوئی عورت نکاح پر راضی ہو تو اس کا نکاح کر دیا جاوے۔ ورنہ جو اسکا
جی چاہے۔ اگر کوئی عورت تنہائی کو پسند کرے اور کسی کے ساتھ نکاح
پر راضی نہ ہو تو اس پر جبر نہیں ہو سکتا۔ پس چند شخصوں نے حضرت شہربانو
کی طرف اشارہ کر کے چاہا کہ ان سے پوچھا جاوے کہ یہ عقد کریں گی یا
نہیں۔ اور اگر کریں گی تو کس کو پسند کریں گی۔ پس حضرت شہربانو کو
اختیار دیا گیا۔ اور پس پردہ ان سے پوچھا گیا اور گفتگو کی گئی
اور جتنے ان کے خواستگار تھے سب موجود تھے۔ اور ان سے پوچھا
گیا کہ یہ جو تمھارے خواستگار ہیں ان میں سے تم کسی کو پسند کرتی ہو
یا نہیں؟ اور تمھارا ارادہ شوہر کرنے کا ہے یا نہیں؟ حضرت
شہربانو یہ گفتگو سن کے چپ ہو رہیں۔ جناب امیر علیہ السلام نے
فرمایا کہ شوہر کر لینا تو انھیں منظور ہے۔ مگر کسی شخص خاص کا پسند
کر لینا باقی ہے۔ حضرت عمر نے پوچھا کہ آپ کو کیوں کر معلوم ہوا کہ شوہر کر لینا انکو
منظور ہے یعنی وہ تو چپ ہو رہیں یہ آپ نے کا ہے سے جانا کہ انکو
منظور ہے کہ میرا نکاح ہو جاوے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

و ۔ وسلم کا معمول تھا۔ کہ جب کسی گروہ کی کوئی آبرو دار عورت ایسی آجاتی تھی ۔ کہ اس کا کوئی ولی نہیں ہوتا تھا اور لوگ اس سے خواستگاری نکاح کی کرتے تھے تو حضرت یہ فرماتے تھے کہ اس عورت سے یہ پوچھو کہ شوہر کرنے پر راضی ہو یا نہیں ۔ اور اگر وہ چپ رہتی تھی تو اس کا چپ رہنا اس کی رضامندی سمجھا جاتا تھا اور جناب رسالت مآبؐ حکم فرماتے تھے کہ اس کا نکاح کردو ۔ اور اگر وہ نہیں کر دیتے تھے ۔ تو اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتے تھے ۔ یہ اس پر جبر نہیں کیا جاتا تھا کہ وہ جو ۔۔۔ نہ چاہے نہ کرے ۔ یعنی اگر اس کو تنہا رہنا منظور ہوتا تھا تو یہ جبر نہیں کیا جاتا تھا کہ خواہ نخواہ شوہر ہی کرلے ۔ بعد اس کے شہربانو سے پوچھا گیا کہ تم نے سب اپنے خواستگاروں کو دیکھا ۔ اب تم کسے پسند کرتی ہو ؟ انھوں نے ہاتھ سے جناب امام حسین علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا اور حضرت کو پسند کیا ۔ بعد اس کے یہ ان سے ۔۔ پوچھا گیا کہ تمھیں اختیار ہے جسے چاہو پسند کرو ۔ پھر انھوں نے حضرت کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا ۔ اور بہ روایت طبری کہا کہ اگر میں پسند کروں گی تو انھیں کو ۔ اور بہ روایت علامہ مازندرانی کہا کہ

حضرت حسینؑ سے نور ساطع اور شہاب لامع کو چھوڑ کے اور کو تو میں کبھی نہیں پسند کرتی۔ بہ روایت مازندرانی جناب امیر علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ تم کس کو اس کام کے لئے منظور کرتی ہو کہ تمھارے اس کام میں تمھارا ولی ہو۔ انھوں نے عرض کی کہ آپ۔ حضرت نے حذیفہ ابن الیمان کو حکم دیا کہ خطبہ پڑھو چنانچہ حذیفہ ابن الیمان نے خطبہ پڑھا اور انکا عقد امام حسینؑ کے ساتھ ہو گیا۔

اور بہ روایت طبری حضرت نے ان سے پوچھا کہ تم شہربانو ہو اور تمھاری بہن مروارید بنت کسرے ہے؟ انھوں نے بہ زبان فارسی کہا آرے یعنی ہاں۔

راقم حقیر کہتا ہے کہ ممکن ہے کہ ایک بہن کا نام حضرت شہربانو کی مروارید ہو اور یہ گفتگو آئی ہو۔ اور پہلے وہ گفتگو آچکی ہو۔ کہ جو اوپر کی روایت میں بیان ہوا اور بعض فقرے اُس گفتگو کے اس روایت میں سہواً رہ گئے ہوں۔ اور اس روایت میں جو آیا ہے کہ حضرت شہربانو نے اپنا ولی جناب امیر علیہ السلام کو قرار دیا تو اسے ولی شرعی جسے اصطلاح علم فقہ میں ولی کہتے ہیں مراد نہیں ہے اس لئے کہ وہ

ولایت سوا باپ دادا کے اور کسی کے لئے نہیں ہے۔ اور نہ کسی کو اختیار رہے کہ اپنا ولی آپ کسی کو کر لے بلکہ جس طرح ولی وہ معنے ہیں جو علم فقہ میں مراد ہوتی ہے ویسا ہی ولی کے معنے عرف عرب میں یہ بھی ہیں کہ وہ عورت جس کا نکاح ہوتا ہے۔ اگر باپ یا دادا اس کا موجود ہوتا ہے تو وہی ولی اُس کا ہوتا ہے۔ اور باپ اور دادا نہ ہو تو غیر شخص یا بھائی یا ماموں یا چچا یا کوئی بزرگ اس عورت کا اس کام میں اور عقد نکاح کر دینے کا اور قرار دینے کا مالک بن جاتا ہے۔ اور بدوں رضائے عورت کے اس کا کوئی فعل جائز نہیں ہوتا بلکہ کبھی خود عورت ہی اس کو اپنا ولی قرار دے لیتی ہے۔ اور بہ رضائے زن مذکور ایسا شخص اس کا عقد پڑھوا دیتا ہے۔ اور ایسے شخص کو بھی لغت عربی میں ولی کہتے ہیں۔ چنانچہ ولی کے یہ دوسرے معنی یہاں بیان کئے گئے ہیں اور یہی حدیث میں مراد ہیں۔ جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ علیہ الرحمہ نے کتاب شافی میں بہ ضمن شرح لفظ مولےٰ جو حدیث غدیر میں واقع ہے بیان فرمائے ہیں۔ اور تصریح فرمائی ہے۔ کہ اس معنی میں بھی لفظ ولی کلام عرب میں بہت

منتقل ہوئے ہیں۔ اور جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ نے کتاب تاریخ ائمہ اثنا عشری میں کہ مشہور بہ ارشاد ہے اور جناب سید رضی علیہ الرحمہ نے اواخر نہج البلاغہ میں اور بہت سے علماء امامیہ نے اپنی کتب میں اور اہل سنت نے اپنی کتب میں نقل کیا ہے کہ جناب امیرؑ نے شاہ زنان بنت کسرےٰ سے پوچھا کہ تم نے کیا یاد رکھا ہے اپنے باپ کے مقتولوں میں سے جو بعد معرکہ قتل کے ان کی زبان سے کبھی بیان ہوئے ہوں۔ اور مطلب حضرت کا ظاہر ایہ تھا کہ چونکہ تمھارا باپ ایک بادشاہ نامور صاحب ادب و حکمت و منہ تھا اور منہ مندوں کے کلام نصیحت و حکمت انضمام جواہر سے بہتر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی عمدہ بات ان سے تم نے سنی ہو۔ اور یاد رکھی ہو تو اسے بیان کرو۔ انھوں نے کہا کہ مجھے ایک بات ان کی یاد ہے۔ کہ وہ کہا کرتے تھے کہ جب حق تعالیٰ کسی بات کو چاہتا ہے۔ اور اس کا ارادہ غالب آتا ہے۔ تو جتنے سامان اس کے خلاف ہوتے ہیں سب ناچیز ہو جاتے ہیں۔ اور جب کسی چیز کی مدت تمام ہو جاتی ہے۔ یعنی کسی کے اقبال کی مدت تمام ہو جاتی ہے کس لئے کہ ہر چیز کے لئے ایک مدت ہے تو جو تدبیر انتظام اور

بچاؤ کی اور بر آمد مطلب کی کی جاوے اسی میں قضا ہوتی ہے۔

راقم حقیر کہتا ہے کہ یہ کلام نہایت درست ہے چنانچہ حضرت نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔ اور یہ گفتگو **جناب امیر علیہ السلام** کی حضرت شہر بانو کے ساتھ گرچہ کتب کثیرہ میں شیعہ وسنی کے مذکور ہے مگر کسی روایت میں اور کسی کتاب میں یہ نہیں معلوم ہوا ہے کہ کس وقت یہ گفتگو جناب امیر علیہ السلام اور حضرت شہر بانو سے ہوئی۔ اور بحار کی گیارہویں جلد کے پانچ عمدہ نسخے اس وقت زیر نگاہ راقم ہیں۔ ان میں چار نسخے اس روایت سے بالکل خالی ہیں۔ ایک نسخہ میں یہ روایت خاص اسی مقام پر وارد کی گئی ہے۔ اور فی الجملہ یہ قرینہ اس بات کا ہے کہ جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ امر محتمل تھا کہ یہ گفتگو اسی وقت میں ہوئی ہے۔ جس وقت کہ صحبت حضرت عمر سے جناب امیر علیہ السلام نے جناب شہر بانو کو امام حسین علیہ السلام کے لئے حاصل کیا ہے چنانچہ راقم السطور نے بھی بہ تاسی جناب علامہ مجلسی اس گفتگو کو اس مقام پر وارد کیا اور ارشاد شیخ علیہ الرحمہ میں اس گفتگو کو ان الفاظ سے ادا کیا ہے ومن کلامہ وقد سال شاہ

زنان بنت کسرے وقد اسرت ما حفظت عن ابیک۔ قالت حفظنا عنہ انہ قال اذا غلب اللہ علےٰ امر ذلت المطامع دونہ واذا انقضت المدۃ کان الحتف فی الحیلۃ۔ اور اگرچہ مدلول اس عبارت کا اتنا ہی ہے کہ بعد اسیری کے یہ گفتگو ما بین جناب امیر علیہ السلام اور حضرت شہر بانو کے ہوئی لیکن کچھ بعید نہیں ہے۔ کہ جس وقت حضرت شہر بانو حالت اسیری میں تھیں یہ گفتگو فی ما بین جناب امیر علیہ السلام اور حضرت شہر بانو کے ہو اگرچہ قطعاً وثوق اس احتمال پر نہیں ہو سکتا۔ مگر اگر یہ کلام بعد گرفتار بلکہ بعد نکاح جناب امام حسین علیہ السلام مذکور ہوا ہو جب بھی حضرت شہر بانو کی کمال عقل و دانش وفصاحت وبلاغت ورعایت مناسبت وقت وحال کی اس کلام سے پیدا ہے۔ اور یہ اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ یزد جرد اور کل سلاطین ساسانیہ شاہان عالی مکان تھے۔ اور مہینوں کی راہ تک ان کا ملک تھا اور عرب کے ہاتھ سے مغلوب ہونا ان کا نہایت عجیب اور ناممکن تھا۔ مگر چونکہ مدت انکی سلطنت اور حکومت کی تمام ہو گئی تھی اور اقبال ونصیب ان کا ختم ہو چکا تھا اور جناب باری کو سلطنت کفر کو زائل کرنا اور دین اسلام کو

مظفر اور منصور کرنا منظور تھا تو قوت وحکومت و دولت وتدبیر و سامان ان کا کچھ کام نہ آیا اور جو تدبیر کی الٹی ہوگئی۔ شرح ان امور کی طول طلب ہے اور اس مقام میں غیر مناسب ہے۔ مگر کتب تواریخ کے دیکھنے والے کو معلوم ہو سکتا ہے۔ اور نہایت عبرت ہوتی ہے کہ عرب سے کم مقدرت اور بے بضاعت اور بے سامان لوگوں کے ہاتھ سے زائل ہو جانا سلطنت اکاسرہ کا باوصف اس استحکام اور سامان اور قوت اور قدرت کے فقط قدرت الٰہی کی نمائش تھی۔ ورنہ عقل میں نہیں آسکتا شیخ مفید علیہ الرحمہ اور علما لکھتے ہیں کہ حضرت نے یمن کے ارشاد فرمایا کہ ما احسن ما قال ابوک ہذا الامور للمقادیر حتے یکون الحتف فی التدبیر یعنی کیا خوب کہا ہے تمھارے باپ نے جتنی باتیں سب مقدرات الٰہی کے سامنے مطیع و مسخر ہیں یہاں تک کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ موت انسان کی اس تدبیر میں ہوتی ہے جو اپنی بہتری اور بھلائی کیلئے اس نے کی ہو۔ اور جناب شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے عیون اخبار الرضا میں بہ سند معتبر سہل ابن قاسم نوشجانی سے روایت کی ہے کہ امام رضا علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ ہمارے تمھارے قرابت ہے۔

میں نے عرض کی کہ کیا قرابت ہے؟ فرمایا کہ عبداللہ بن عامر بن کریز نے جب خراسان کو فتح کیا تو دو بیٹیاں یزدجرد بن شہریار بادشاہ عجم کی حضرت عثمانؓ ابن عفان کے پاس بھیجیں اور انھوں نے ایک کو امام حسین علیہ السلام کو دیا اور ایک کو امام حسن علیہ السلام کو دیا۔ اور وہ دونوں بیٹیاں ان دونوں حضرت کی خدمت میں دونوں نفساء یعنی زچہ خانہ میں انتقال کر گئیں۔ اور امام حسین علیہ السلام کے گھر میں جنھوں نے زچہ خانہ میں انتقال کیا ان کے بطن سے اسی مرتبہ میں جس مرتبہ میں انھوں نے انتقال کیا امام زین العابدین علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ جب وہ انتقال کر گئیں تو جناب امیر علیہ السلام نے امام زین العابدین کو امام حسین علیہ السلام کی ایک حرم صاحب اولاد کو سپرد کیا۔ کہ وہ حضرت کو پالیں۔ اور اس وجہ سے امام زین العابدین انھیں حرم محترم سیدالشہداءؑ کو اپنی حقیقی والدہ جانتے تھے۔ اور یہ نہیں جانتے تھے کہ میری والدہ دوسری تھیں اور وہ قضا کر گئیں۔ بعد مدت کے آپکو معلوم ہوا کہ یہ میری والدہ کی کنیز ہیں یعنی میری حقیقی والدہ نہیں ہیں۔ اور لوگ بھی انھیں حرم محترم کو حضرت امام زین العابدین کی

والدہ کہتے تھے اور بتاتے تھے۔ اور شیخ طبرسیؒ نے کتاب اعلام الورٰے میں اور جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ نے کتاب ارشاد میں ارشاد فرمایا ہے اور جناب علامہ مازندرانی نے کتاب المناقب میں ابن الکلبی سے نقل کیا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے حریث بن جابر جعفی کو نواح مشرق یعنی خراسان کا حاکم کر کے بھیجا تھا۔ وہاں سے انھوں نے یزدجرد کی بیٹی کو جناب امیر علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا۔ اور جناب امیر علیہ السلام نے اس شہزادی کو امام حسین علیہ السلام کو دے دیا تھا۔ ان کے بطن سے جناب امام زین العابدین علیہ السلام پیدا ہوئے ہیں۔ اور علامہ مازندرانی فرماتے ہیں کہ اور لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حریث ابن جابر نے دو بیٹیاں یزدجرد کی جناب امیر علیہ السلام کی خدمت میں بھیجی تھیں۔ ایک ان میں سے آپ نے امام حسین علیہ السلام کو دی اور ایک حضرت محمدؒ بن ابی بکرؓ کو۔ اور جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ کتاب ارشاد میں اور شیخ طبرسی کتاب اعلام الورٰے میں یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ جناب امام حسین علیہ السلام کو جو شہزادی جناب امیر علیہ السلام نے دی تھی ان سے امام زین العابدین علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت محمدؒ ابن ابی بکرؓ کو جن شہزادی

دیا تھا ان سے قاسمؒ ابن محمدؒ کہ محمد بن ابی بکرؒ کے بیٹے تھے پیدا ہوئے
اور حضرت امام زین العابدینؑ اور قاسمؒ ابن محمدؒ اسی وجہ سے دونوں
خالہ زاد بھائی تھے۔ اور جناب مولانا علی ابن عیسیٰ الاربلی الوزیر نے
کشف الغمہ عن معرفۃ احوال الائمہ میں بھی کلبی کی روایت کو انھیں الفاظ
سے نقل کیا ہے جن الفاظ سے کہ مناقب بن شہر آشوب علیہ الرحمہ میں
منقول ہے۔ مگر غیاث الدین بن ہمام الدین نے تاریخ مشہور موسومہ
حبیب السیر فی اخبار افراد البشر میں کتاب مرآۃ الجنان و عبرۃ الیقظان
یافعی سے کہ اکابر علمائے اہل سنت سے ہے اور کتاب فصل الخطاب
خواجہ محمد پارسا سے کہ عظمائے صوفیہ اور کبرا شیوخ اہل سنت سے ہیں
نقل کیا ہے کہ ان دو شخصوں نے یعنی یافعی اور پارسا نے کتاب
ربیع الابرار ابو القاسم زمخشری سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں
جب قیدیان فارس مدینے میں پہنچے تو تین بیٹیاں یزدجرد بن شہریار
کی ان میں تھیں حضرت عمرؓ نے کہا کہ ان لڑکیوں کو بیع کر ڈالو۔ جناب امیرؑ نے
فرمایا کہ سلاطین کی اولاد کے ساتھ وہ بات نہیں ہو سکتی جو کہ اوروں
کے ساتھ ہوتی ہے حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ پھر ان کی بیع کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

جناب امیرؑ نے فرمایا کہ ان کی ایک قیمت قرار دینا چاہیئے اور جو قیمت
ان کی قرار پاوے گی اس سے سب لوگ آگاہ ہو کے لوگوں میں سے
جس کا جی چاہے گا وہ خاص قیمت ان کی ادا کر کے ان کو لے لے گا۔
حضرت عمرؓ نے حضرت سے جس طرح فرمایا تھا اسی طرح حکم دیا یعنی کہدیا کہ
ایک قیمت ان کی معین کر کے لوگوں کو اس سے آگاہ کر دو۔ چنانچہ جب
قیمت ان کی جملہ حاضرین پر یہ اعلان ظاہر کر دی گئی تو جناب امیر
علیہ السلام نے ان تینوں لڑکیوں کو یزدجرد کی لے لیا اور خرید فرمالیں
اور ان میں سے ایک کو امام حسین علیہ السلام کو دے دیا۔ اور ایک کو حضرت
محمدؓ ابن ابی بکرؓ کو دیا اور ایک کو حضرت عبداللہؓ بن حضرت عمرؓ کو دیا چنانچہ جو بیٹی یزدجرد
کی جناب امام حسین علیہ السلام کو ملی تھیں ان کے بطن سے علیؑ ابن الحسینؑ
زین العابدینؑ پیدا ہوئے۔ اور جو محمدؓ ابن ابی بکرؓ کو عطا ہوئی تھیں
ان کے بطن سے قاسمؒ ابن محمدؓ بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے اور عبداللہ بن عمرؓ
کو ملی تھیں ان کے بطن سے سالم بن عبداللہ بن حضرت عمرؓ ابن الخطاب
پیدا ہوئے۔ پس امام زین العابدین علیہ السلام اور قاسم بن محمدؒ بن ابی بکرؓ
اور سالم یہ تینوں حقیقی خالہ زاد بھائی ہیں۔ تمام ہوا کلام صاحب

حبیب السیر کا۔

اور قاضی ابو العباس احمد بن محمد بن الخلکان نے کتاب
وفیات الاعیان وابناء ابناء الزمان میں لکھا ہے۔ کہ زمخشری نے
ربیع الابرار میں بیان کیا ہے کہ جب غنیمت و بندی عجم کی مدینہ میں
آئی خلافت حضرت عمرؓ بن الخطاب میں تو بندیوں میں تین بیٹیاں یزدجرد
کی تھیں چنانچہ اور بندی کو فروخت کر ڈالا اور حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ یزدجرد
کی بیٹیاں بھی فروخت کی جاویں۔ جناب امیر علیہ السلام نے حضرت عمرؓ سے
کہا کہ سلاطین کی بیٹیوں کو یوں فروخت نہ کرنا چاہئے جس طرح کہ
بازاریوں کی بیٹیاں فروخت ہوتی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت سے پوچھا کہ
پھر ان شہزادیوں کی بیع کا کیا طریقہ اختیار کیا جاوے۔ جناب امیر علیہ السلام
نے فرمایا کہ ان کی قیمت تشخیص کی جاوے اور جس شہزادی کی جو قیمت
تجویز ہو جو شخص کہ اس شاہ زادی کو پسند کرے اس قدر وہ قیمت
ادا کرے جو اس کے لئے مشخص کی گئی ہے اور اس شاہ زادی کو لے
لیوے۔ چنانچہ ان تینوں شاہ زادیوں کی قیمت قرار دی گئی اور تینوں
کو جناب امیر علیہ السلام نے لے لیا۔ بعد اس کے کلام قاضی ابن خلکان کا

عبارت حبیب السیر کے مطابق ہے۔ یہاں تک کہ آخر میں قاضی نے بیان کیا ہے کہ امام زین العابدینؑ اور قاسمؒ ابن محمدؒ اور سالمؒ بن عبد اللہؒ یہ تینوں یزدجرد کی بیٹیوں کی اولاد ہیں۔ اور یہ بھی قاضی نے لکھا ہے کہ امام زین العابدینؑ کی والدہ سلافہ بنت یزدجرد ہیں۔ اور یزید بن ولید کی کہ جو منجملہ خلفائے بنی امیہ ہے جو والدہ تھی اس کی والدہ امام زین العابدین علیہ السلام پھوپی اور یزید بن ولید کی ماں کا بھی آنا قاضی نے بہ تفصیل بیان کیا ہے۔ مگر اس کی نقل کرنے کی یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پس اس روایت منقولہ از ربیع الابرار میں اور ابن الکلبی کی روایت میں دربارہ تعدد بنات اتنا اختلاف ہے کہ ابن الکلبی کی روایت میں دو بیٹیاں وارد ہوئی ہیں اور ربیع الابرار کی روایت میں تین بیٹیاں مذکور ہیں مگر یہ اختلاف اہم اور بڑا نہیں ہے۔ بلکہ بعض ضوابط توفیق بین الاخبار کی رو سے جمع و توفیق و رفع اختلاف ان دونوں روایتوں کا ممکن ہے۔ لیکن بہت بڑا اختلاف یہ ہے کہ اس روایت میں برطبق روایات سابقہ آنا حضرت شہربانو کا عہد حضرت عمرؓ میں مذکور ہے اور روایت ابن الکلبی میں بہ عہد جناب

امیر علیہ السلام آنا مذکور ہوا ہے۔ چنانچہ بعض مصنفین عجم نے ابن الکلبی
کی روایت کی قوت پر جس کے مطابق شیخ مفید نے بھی ارشاد میں
لکھا ہے ایک دلیل بھی لکھی ہے اور جو روایتیں کہ اوپر بیان ہوئی
ہیں ان میں شبہ کیا ہے۔ وہ ان کا شبہ مابعد میں بہ تصریح بیان
اور حل کیا جاوے گا۔ مگر قبل اس بات کے کہ ان کا شبہ بیان کیا
جاوے حضرت شہربانو کی گرفتاری کے قصہ کو مورخین نے جس شرح
وبسط کے ساتھ اپنی اپنی تاریخوں میں لکھا ہے اس کا بیان مناسب
معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ رفع اعتراض کے لئے ان بزرگوار کے
اس قصہ کا اس شرح وبسط کے ساتھ نقل ہونا جو کتب تاریخ میں
پایا جاتا ہے نہایت مفید وضروری ہوگا چنانچہ راقم حقیر منجملہ ان کتب
کے اس قصہ کو بہ حذف واسقاط زوائد و رعایت التقاط فوائد بطور
مختصر کتاب فتوح العجم سے قاضی ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن واقد اسلمی
کے کہ نہایت قدیم مورخ اور معاصر امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰؑ
کاظمؑ اور امام علی رضا علیہ السلام کا ہے اور سنہ ایک سو بیس ہجری میں
پیدا ہوا اور دوسو سات ہجری میں فوت ہوا اور اہل سنت اس کی تاریخ پر

نہایت اعتماد کرتے ہیں نقل کرتا ہوں۔ اور ابتدائے قصہ سے اخیر تک
اسی وجہ سے یہ حکایت اس کتاب سے نقل کی گئی ہے کہ اس روایت
کے نقل کرنے سے وہ شبہ بالکل رفع ہو جاوے گا جو بعض مصنفین عجم
نے کیا ہے۔ پس واضح ہو کہ واقدی مذکور کتاب فتوح العجم میں بہ سند
خود نقل کرتا ہے کہ بعد فتح قادسیہ یعنی عہد حضرت عمر بن الخطاب میں جب
لشکر بادشاہ ایران کا بھاگا تو ہاشم بن عتبہ نے فراریوں کا تعقب
کیا یہاں تک کہ ان کے تعقب میں ہاشم مذکور مقام مرج حلوان میں
پہنچے تو وہاں انھوں نے ایک لشکر عجم کو دیکھا کہ نہایت ساز و سامان
واسباب وسلاح وہتیار سے مکمل اور باربرداری اور فروش وخیمہ
وغیرہ اور جملہ سامان ضروری ہمراہ لئے ہوئے سب طرح سے آراستہ
پیراستہ ہے۔ اور ان کے ساتھ خواص اور خدمت گار اور عملہ بہت سا
اور لونڈیاں اور زنان خدمتی بھی بہت سی ہمراہ اور غلام بہت سے
ساتھ۔ اور یہ سب عملہ و خادم زن و مرد ایک عماری عمدہ کو گھیرے
ہوئے ہیں کہ چوب تازہ سے وہ بنی طیار ہوئی ہے اور اس کے اوپر
پردے اور پوششیں رنگا رنگ کی پڑی ہوئی ہیں اور ان پوشش اور

پردوں پر گل کاریاں کی ہوئی ہیں اور رنگ طرح طرح کے بھرے ہوئے ہیں اور سنہرا اور زردوزی کام ان پوششوں پر بنا ہوا ہے۔ اور کمانیاں اس عماری کے قبہ کی بالکل سونے کی ڈھلی ہوئی ہیں۔ اور کئی جگہ موقع موقع سے اس الماری میں جڑاؤ کام جواہر کا بنا ہوا ہے اور جواہر جو اس میں لگا ہوا ہے اس میں ایسی تڑپ اور ایسی چمک اور درخشندگی ہے کہ آنکھ نہیں ٹھہر سکتی اس پر اور نگاہ کو خیرگی ہوتی ہے۔

واقدی لکھتا ہے کہ ہاشم اس لشکر اور اس قافلہ اور اس سامان اور اس عماری کو دیکھ کر جس قدر فوج ان کے ساتھ تھی اس اپنی فوج کو لے کے اس قافلہ کی طرف جو اپنی راہ چلا جاتا تھا پلٹ پڑے اور سب فوج نے ہاشم کی اور خود ہاشم نے دفعتہً اس قافلہ پر حملہ کیا اور اس قافلہ کے لوگ بھی برسر مقابلہ و مقاتلہ ان کے ساتھ ہوئے وہ اپنی جگہ پر جم گئے اور رک گئے اور رک کے لڑے اور خوب لڑے اور خصوصاً اس عماری کے بچانے کے لئے اور اس عماری کے آگے اڑکے اور رک کے بڑی جنگ شدید ان لوگوں نے کی اور نہایت بھاری اور بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ واضح رہے کہ اس قدر جنگ شدید

ہونے کی خاص اس عماری کے آگے وجہ یہ تھی کہ اس عماری میں تمام عجم کی آبروتھی یعنی شہزادی تھی اور علاوہ اس کے جو کچھ کہ خزانہ شاہان عجم کا عمدہ سرمایہ تھا وہ بھی اس قافلہ کے ساتھ تھا۔ پس جو لوگ اس قافلہ کے ساتھ تھے سمجھتے تھے کہ ہماری آبرو بھی جاتی ہے اور دولت بھی مٹی جاتی ہے اس لیئے کہ شاہنشاہ عجم یادگار کسرےٰ و جم فرمان فرمائے امم کی بیٹی کجا اور عرب کی لونڈی گری کجا۔ اور اگر یہ عماری ان لوگوں کے ہاتھ آجاوے گی تو یہ بے شک اپنے مذہب کے موافق اور اپنی رسم و رواج کے موافق اس شہزادی کو لونڈی بناویں گے اور سلام کریں گے اور تصرف میں لاویں گے۔ پس یہ غیرت اور حمیت ان لوگوں کو کٹوائے دیتی تھی کہ دختر شاہ ایران فخر شاہ زادگان عرب کی سی قوم کی لونڈی ہے۔ واقدی لکھتا ہے کہ وہ عماری جس کا بیان اوپر ہوا شاہ زنان بنت یزدجرد بادشاہ ابن نوشیروان کسرےٰ کی تھی اور اس عماری کا حافظ اور محافظ اور اس قافلہ کا مالک اور میر قافلہ شہزادہ سافر بن ہرمز بادشاہ تھا۔ اس جنگ شدید میں سافر بھی مارا گیا اور سافر کے ساتھ جتنے لوگ اس قافلہ میں تھے بیشتر مارے گئے

اور کچھ تھوڑے سے بچے وہ بھاگ نکلے۔

ہاشم نے عماری گرفتار کی اور اس کے ساتھ جتنا سامان تھا

وہ بھی سب اپنے قبضہ میں کیا اور یہ سب مال واسباب سعدؓ بن ابی وقاص

کے پاس کہ اس زمانہ میں سپہ سالار لشکر اسلام تھے لے آئے اور سعدؓ

بن ابی وقاص سے بیان کیا کہ بادشاہ عجم کی بیٹی کو ہم گرفتار کر لائے

ہیں سعدؓ نے اس وقت یہ آیۃ پڑھا قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ

مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ

بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اس آیۃ میں جناب اقدس الٰہی

حکم دیتا ہے کہ کہو تم اے محمدؐ مخاطب کر کے جناب اقدس الٰہی کو کہ خداوندا

تو مالک ہے ملک کا۔ جس کو تو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے تو

چاہتا ہے اس سے ملک نکال لیتا ہے اور جس کو تو چاہتا ہے عزت

دیتا ہے اور جس کو تو چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ جتنی خیر و خوبی ہے

سب تیرے ہاتھ میں ہے اور بلاشک حقا حقا تو کل چیزوں پر قادر

ہے۔ تمام ہوا ترجمہ آیۃ کا۔ اور واضح رہے کہ اس آیہ کے پڑھنے

کی وجہ یہ ہوئی کہ دختر شاہِ عجم کی گرفتاری سن کے سعدؓ کو کمال عبرت

ہوئی کہ وہ شاہ زادی کہاں اور اس کا گرفتار ہو کے آنا کہاں۔ واقدی لکھتا ہے کہ بعد اس کے سعد بن ابی وقاص نے جو خزانہ کہ باقی رہ گیا تھا اس کو دیکھا اور اس کا جائزہ لیا۔ پس ایک بڑا صندوق پایا کہ سنہری بافت کی دیباج جو اس زمانہ میں مثل زربفت کے ہوتا تھا اس صندوق پر منڈھا ہوا ہے۔ اور اس صندوق کے اندر بھی وہی دیباج پر زر منڈھا ہوا ہے اور اس کے اندر ایک فرش رکھا ہے کہ وہ اس طرح کا فرش تھا کہ کسرے شہنشاہِ عجم کو ناز تھا اور فخر و مباہات کیا کرتا تھا کہ تمام روئے زمین کے بادشاہوں پر بہ سبب اس فرش کے۔

اور واضح رہے کہ یہ نازش اس کی اس وجہ سے تھی کہ وہ جانتا تھا کہ ایسا فرش روئے زمین کے بادشاہ کے پاس نہیں ہے اور نہ ہو سکتا تھا اور تمام فرش وہ زر تار تھا اور سونے کے تاروں سے بافت کیا گیا تھا۔ اور ہر جگہ اس میں برابر موتی اور یاقوت طرح طرح کے اور رنگا رنگ اور جواہر عمدہ عمدہ اور نہایت بیش بہا اور معدنی اور کانی چیزیں بہت بہت اور عمدہ عمدہ اور زمرد اپنے اپنے موقع پر کمال نفاست کے ساتھ اس طرح لگائے گئے ہیں

جس طرح کہ تختے پر جڑے ہوئے ہوں۔ اور طول اور فرش کا ساٹھ ہاتھ کا تھا۔ اور ایک گوشے میں اس فرش کے تو انھیں جواہر گران بہا یاقوت و زمرد اور موتیوں سے تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ اور ایک گوشے میں انھیں جواہر عمدہ اور گراں بہا اور موتیوں کے درخت اور باغات اور گل بوٹے اور پھول طرح طرح کے بنائے تھے۔ اور ایک گوشے میں نقشہ کھیتوں کا اور سبزے کا کہ جو موسم ربیع میں اُگتا ہے جس طرح کہ موسم ربیع یعنی بہاریں جابجا اگتا ہوتا ہے اور اس کے متصل زراعت ہوتی ہے بنایا تھا اور جتنی چیزیں اس فرش میں بنی ہوئی تھیں وہ سب طرح طرح کے معدنی جواہر سے بنائی گئی تھیں۔ اور پھول جو اس میں بنائے تھے۔ تو انکی شاخیں اور ٹہنیاں کہیں بالکل زمرد کی۔ کہیں بالکل سونے کی کہیں بالکل چاندی کی جہاں جیسا موقع تھا بنائی تھیں۔ اور بادشاہِ عجم کبھی اس فرش کو اپنے استعمال میں نہیں لاتا تھا اور کبھی نہیں بچھاتا تھا۔ مگر جاڑوں کے موسم میں ایک مرتبہ بچھاتا تھا اور شراب نوشی کے لئے جب جاڑوں کے موسم میں بادشاہ بیٹھتا تھا تو اسے بادشاہ بچھاتا تھا۔

اور اس کا نام سلاطین عجم نے بساط النزھتہ والمسرۃ یعنی فرش شگفتگی و فرحت دل کا اور عیش و خوشی اور سرور کا اور جب وہ بچھایا جاتا تھا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک باغ کھلا ہوا اور شگفتہ ہے۔ واضح رہے کہ بساط النزھتہ والمسرۃ ظاہرا ترجمہ فارسی نام کا ہے۔ اس لئے کہ یہ لفظ عربی ہے اور عجم کی زبان عربی نہ تھی۔ بہرحال واقدی لکھتا ہے کہ عرب نے جب اس فرش کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ قطیفہ زینت ہے اور واضح رہے کہ قطیفہ زبان عرب میں چادر کو کہتے ہیں۔

راوی کہتا ہے کہ جو مال ہاتھ آیا تھا سعدؓ نے سب لوگوں کو بانٹ دیا تھا۔ اور ایک ایک سوار کے حصے میں بارہ بارہ ہزار دینار پڑے۔ اور لشکر اسلام میں جتنی فوج تھی سب سواروں کی تھی۔ کوئی ان میں پیادہ نہ تھا۔ اور مقام حیرہ میں جو لشکر عورتوں کے ساتھ رہ گیا تھا ان کا بھی حصہ سعدؓ نے اس مال غنیمت میں نکالا۔ اور موتی جو غنیمت میں آئے تھے وہ بھی لوگوں کو بانٹ دئے اور یہ مال غنیمت تحویل میں عمر بن عمر مداینی کے رہا اور تقسیم سلیمان بن ربیعہ نے کی اور خمس مال غنیمت کا انکا لکے حضرت عمرؓ کے لئے بھیجا۔ بعد اس کے سعدؓ نے ارادہ کیا کہ وہی فرش

جس کا اوپر بیان ہوا اسے تقسیم کرے۔ مگر سعدؓ کی سمجھ میں نہ آیا کہ اسے کیوں کر تقسیم کرے واضح رہے کہ اس فرش کی تقسیم میں یا تو یہ مشکل تھی کہ اگر اس کے ٹکڑے کرکے جتنے لوگ مستحق تھے ایک ایک ٹکڑا سب کے حوالے کر دیا جاوے تو چونکہ اس میں موقع موقع سے جواہرات لگے ہوئے تھے کسی کے ٹکڑے میں فقط ریشم کا کام زیادہ نکلتا۔ اور جواہرات کا اگر ہوتا تو کم قیمت ہوتا اور تھوڑا سا ہوتا۔ کسی کے ٹکڑے میں بالکل جواہر ہی ہوتا۔ کسی کے ٹکڑے میں بیش بہا جواہر ہوتا۔ کسی کے ٹکڑے میں کم قیمت کا جواہر ہوتا اور جواہر کا تخمینۂ قیمت بھی دشوار ہوتا اس وجہ سے سعدؓ کی سمجھ میں نہ آیا۔ کہ اس فرش کو کیوں کر تقسیم کرے۔ لیکن آگے بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے یوں ہی ٹکڑے کرکے تقسیم کیا۔ پس شاید حضرت عمرؓ نے جسکو کم قیمت ٹکڑا دیا ہو اس کو اور کچھ مال سے اضافہ کرکے کمی و بیشی حصص کو برابر کر دیا ہو۔ یا یہ کہ شاید سعدؓ کو اس میں تامل ہو کہ ایسا فرش نفیس اور عمدہ ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا جائیگا۔ تو ایک تو ایسا مال کہ جو بے مثل ہے ٹکڑے ہونے پر اس کی مالیت گھٹ جاویگی اور اگر نہیں کاٹا جاتا تو نہ تو یہ تقسیم ہو سکتا ہے۔ اور نہ یہ ہو سکتا ہے

کہ اس کو بیچ کے اس کی قیمت مجاہدوں پر تقسیم کر دی جاوے اس لئے
کہ ایسا کون ہے کہ جو اس فرش گراں بہا کو مسلّم اور پورا مول لے لیوے
اور یہ مقدرت بجز شاہنشاہوں کے اور کسی کے لئے حاصل نہیں۔
بلکہ شاہنشاہوں کو بھی دفعتہً اتنی قیمت کا دینا دشوار ہے۔ پس سعدؓ نے
مجاہدین سے پوچھ کے اور ان سے مشورہ لیکے اسی صندوق میں پھر
بند کر کے اس صندوق کو معہ اس فرش کے حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا اور
لکھا کہ ہم نے یزدجرد کو شکست دے کے ملک اس سے چھین لیا اور
اور یزدجرد بھاگا اور لشکر اس کا قتل ہوا اور بیٹی اس کی گرفتار ہوئی
اور ہم لوگ مدائن میں مقیم ہیں اور آپ کے یعنی عمرؓ کے حکم کے منتظر ہیں۔
کہ اب بعد اس کے جو حکم ہو بجا لائیں اور یہ خط اپنا جس میں یہ مضمون
تھا اور مال خمس اور وہ صندوق جس میں وہ فرش تھا اور فرش یہ
سب چیزیں بشیر کے سپرد کیں اور بشیر کے ساتھ پانچ سو سوار کیئے۔
اور کسرےٰ کی بیٹی یعنی حضرت شہر بانو کو بھی بشیر کی سپردگی میں دیا۔
اور وہ محمل جس میں وہ سوار تھیں اور ان کی لونڈیاں اور خادمہ عورتیں
جتنی ان کے ساتھ تھیں سب کو بشیر کے سپرد کیا اور اس کو روانہ کر دیا

یہاں تک کہ بشیر وہ سب مال واسباب اور آلات لئے ہوئے اور دختر کسریٰ کو ساتھ لئے ہوئے مدینے میں پہنچا۔ بعد اس کے واقدی نے اور حالات لکھے ہیں جن کا لکھنا بیکار سمجھ کے ترک کیا گیا اور یہ لکھا ہے کہ بعد اس کے حضرت عمرؓ نے اس فرش کے ٹکڑے کر ڈالے اور ایک ایک ٹکڑا ہر شخص کو ملا۔ پس جس جس نے وہ ایک ٹکڑا پایا اس نے بیس بیس ہزار دینار کو اس ٹکڑے کو بیچ لیا۔

اور واضح رہے کہ چونکہ ہزارہا آدمیوں پر وہ فرش تقسیم ہوا تو جب ایک ٹکڑا اس کا بیس ہزار دینار کو بکا تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرش نہایت بے بہا تھا باوصف اس کے کہ جواہر مدینہ میں کہ ملک عرب تھا کم قیمت بکا ہوگا اس لئے کہ عرب میں جواہر کا نہ استعمال زیادہ تھا جیسا کہ اور آباد ملکوں میں ہوتا ہے۔ اور نہ اس کی وہاں ایسی کچھ قدر تھی۔ اور یہ حکایت علاوہ واقدی کی کتاب کے اور کتابوں میں بھی لکھی ہے اور مشہور حکایت ہے۔ مگر فتوح سیف وغیرہ سے روضۃ الصفا تاریخ فارسی میں جو عبارت نقل کی گئی ہے تو اس میں یہ لکھا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کے حصہ میں جو ٹکڑا آیا وہ بیس ہزار دینار کو بکا۔ بنابر

اس روایت کے احتمال ہوتا ہے کہ ٹکڑے سب ایک قیمت کے نہ ہوں بلکہ کم و بیش ہوں اور یہی قریب بہ عقل معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ تو بہت بعید بلکہ قریب ناممکن کے ہے کہ سب ٹکڑے ایک ہی قیمت کے ہوں جیسا واقدی نے لکھا ہے اگر بالفرض واقدی کے راوی نے صحیح بیان کیا ہے اگرچہ نہایت بعید ہے تو یہ بھی کمال تکلف اور حُسن اور لطافت اس فرش کی قرار دی جا سکتی ہے کہ اس کا ہر ٹکڑا ایک ہی قیمت کا نکلے۔ مگر بہ ہر حال مالیت اس فرش کی بہت زیادہ تھی۔ روضۃ الصفا میں فتوح سیف سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ فرش ساٹھ ہزار ہاتھ کا لانبا اور ساٹھ ہزار ہاتھ کا چوڑا تھا۔ اور حبیب السیر میں لکھا ہے کہ اس فرش میں یہ تکلف اور التزام کیا تھا کہ ایک ایک ٹکڑا خالص ایک ایک قسم کے جواہر و معدنیات کا تھا چنانچہ ایک ٹکڑے میں اس کے بالکل بلور سفید رنگ تھا کہ اس ٹکڑے بھر میں سوا بلور کے اور کسی قسم کی کوئی چیز نہ تھی۔ اسی طرح ایک ٹکڑے میں اسکے فقط سبز رنگ کا زمرد تھا کہ سوا ایک رنگ سبز کے اور رنگ اس میں نہ تھا اور بہ جز زمرد کے اور کوئی جواہر اس میں نہ تھا۔ اسی طرح

ایک ٹکڑے میں یاقوت سبز رنگ تھا کہ اس ٹکڑے بھر میں سوا یاقوت رنگ سرخ کے اور کوئی چیز نہ تھی اسی طرح ایک ٹکڑے میں یاقوت رنگ کبود کہ ظاہر امراد نیلم سے ہے تمام وکمال یک رنگ تھا اسی طرح ایک ٹکڑے میں زرد رنگ کا یاقوت تھا کہ سوا اس کے اور کوئی چیز اس میں نہ تھی۔ غرض کہ سارے فرش میں دس حصّے یعنی دس ٹکڑے تھے۔ اور اس فرش کے حاشیوں میں ہر چہار طرف طرح طرح کے پھول اور بوٹے اور طرح طرح کے درخت جواہر کے بنائے تھے۔ اور نہایت جواہر آب دار اور مصفّیٰ۔ اور بیش قیمت موتی شاہوار اس میں جڑے تھے اور اس کا بہارستان نام تھا۔ اور سلاطین عجم جاڑے کے موسم میں اس فرش کو بچھا کے صحبت عیش و عشرت اس پر منعقد کرتے تھے اس لئے کہ اوسط زمانۂ سرما ان لوگوں کے یہاں اوائل ایام بہار شمار ہوتا تھا۔ اور ایک ٹکڑا اس کا جو جناب امیر علیہ السلام کو ملا اس کو حضرت نے بیس ہزار دینار اور بہ روایت دیگر بیس ہزار درہم کو بیچا۔ بہرحال واقدی نے پھر روایت کو بیان کرنا شروع کیا ہے۔ اور بسبب رعایت اختصار نقل عبارت ترک کر کے جو عبارت کہ مقصود ہے اسی کی

نقل پر اختصار کیا جاتا ہے۔

واقدی لکھتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ تقسیم سے فارغ ہو چکے تو انھوں نے حکم دیا کہ دختر کسرے کو لا کے میرے سامنے کھڑا کرو۔ لوگوں نے دختر کسرے یعنی حضرت شہر بانو کو بلا کے حضرت عمرؓ کے سامنے ایستادہ کر دیا اور حضرت شہر بانو ان کے سامنے آکر کھڑی ہو گئیں۔ اور اس وقت حضرت شہر بانو بہت سا کچھ زیور اور پوشاک نہایت عمدہ اور لباس فاخرہ اور سامان زینت کا بہت کچھ اور جواہرات بہت سا پہنے ہوئے تھیں۔ یعنی جس طرح گرفتار ہوئی تھیں تو اس وقت جو پوشاک و لباس ان کے بدن پر اور ان کے استعمال میں تھا وہ سب بہ حال خویش تھا۔ واقدی لکھتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے انھیں دیکھ کے حکم دیا کہ ان کے فروخت کی بولی شروع کر دو اور بعد اس کے منادی سے یعنی اس شخص سے جو بولی بولتا تھا یہ کہا کہ زیور و جواہرات اور چیزیں جو یہ پہنے ہیں ان سب چیزوں کو اتار لو کہ قیمت انکی زیادہ ہو جائے۔ اور ظاہر امراد حضرتؓ کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ زیور و پوشاک عمدہ خواہ فقط زیور اگر علیحدہ کر کے ایک ایک چیز فروخت

کی جاوے گی تو اس کی قیمت خوب اٹھے گی اور لوگ اس چیز کو دیکھ کر اور جانچ کے لیں گے۔ اور ان کو جملہ زیور و پوشاک پہنے ہوئے فروخت کیا تو جو ذات خاص کی ان کے یعنی اگر حضرت شہر بانو کی قیمت ملتی اور جو زیور و پوشاک کی خواہ فقط زیور کی علیحدہ قیمت ملتی اس سے کم ملے گی اس لئے کہ زیور کو کوئی شخص بہ تفصیل نہ دیکھے گا بلکہ مجمل طرح پر اور ملا کے کچھ لحاظ ان کے حسن و جمال و عزّت و کمال کرے گا۔ کچھ زیور کو بھی نگاہ سرسری سے دیکھ لیگا۔ تو دونوں چیزوں کو یک جا کر کے جو قیمت لگاوے گا وہ کم ہوگی۔ یا یہ مطلب حضرت عمرؓ کا ہو کہ زیور میں انسان کے ذاتی حسن و جمال کی خوب شناخت نہیں ہوسکتی اور آدمی کو یہ خیال ہوتا ہے کہ پوشاک و زیور کی وجہ سے یہ حسن و جمال ان کا معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر پوشاک و زیور ان کا علیحدہ کر لیا جاوے گا تو ذاتی حسن و جمال ان کا ظاہر ہو جاویگا اس وجہ سے لوگ ان کی قیمت زیادہ لگادیں گے۔ بہر حال واقدی لکھتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے حکم کی تعمیل کرنے کیلئے منادی حضرت عمرؓ کا آگے بڑھا اس قصد سے اور حضرت شہر بانو کے پاس آیا کہ زیور ان کا خواہ پوشاک بالائی بھی اتار لیوے حضرت شہر بانو نے

زیور اپنا نہ اتار نے دیا اور منادی جو آگے بڑھا تھا اس کے سینہ پر ہاتھ رکھ کے اس کو پیچھے ہٹا دیا حضرت عمرؓ کو یہ فعل حضرت شہر بانو کا دیکھ کے غصہ آیا اور حضرت عمرؓ نے دُرّہ اٹھایا کہ حضرت شہر بانو کو ماریں۔ اور حضرت شہر بانو کی اس وقت یہ کیفیت تھی کہ برابر روتی جاتی تھیں۔ جناب امیر علیہ السلام نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ بس بس صبر کرو اے امیر المومنین۔ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ ارحمُوا عزیزَ قومٍ ذُلَّ وغنِیّ قومٍ افتقر۔ یعنی رحم کیا کرو عزّت دار اور آبرو دار پر ہر قوم کے کہ جو بعد عزّت اور آبرو کے ذلیل ہو جاوے اور غنی اور صاحب مقدرت پر ہر قوم کے کہ جو بعد مقدرت ومال کے فقیر و محتاج ہو جاوے

واقدی نے لکھا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کے اس ارشاد فرمانے سے حضرت عمرؓ کا غیظ و غضب تھم گیا اور حضرت عمرؓ نے حضرت شہر بانو کو دیکھا کہ امام حسین علیہ السلام کی طرف بہ غور دیکھ رہی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں نے رسولِ خداؐ سے سُنا ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مومن کی

فراست سے ڈرا کرو کہ وہ نور الٰہی کی مدد سے ہر چیز کو دیکھتا ہے۔
واضح رہے کہ یہ حدیث احادیث مقبولہ سے ہے اور غرض حضرت کی
یہ ہے کہ مومن کو حق تعالیٰ نے ایسی ذکاوت اور ذہانت اور فراست
عطا کی ہے کہ وہی فراست بہ منزلہ نور خدا کے اس کے ساتھ ہے۔

اور جس طرح کہ اندھیرے میں جس کے پاس یا جس کے ساتھ نور ہوگا
وہ ایسی شئے کو دیکھ لیگا جو اوروں کو جن کے پاس یا جن کے ساتھ
وہ نور نظر نہیں آتا ویسا ہی مومن کا حال ہے کہ چونکہ نورِ عقل و
فراست جو عطیۂ خدا ہے اور صنعت خدا ہے۔ اس کو عطا ہوا ہے
تو اور لوگوں کو جو چیز نہیں معلوم ہوتی وہ مومن کو معلوم ہوجاتی ہے بعد

اس کے حضرت عمرؓ نے امام حسین علیہ السلام کی طرف دیکھ کے کہا کہ یا ابا عبداللہ
اس لڑکی کو آپ لیجئے یہ میں تمھیں ہدیہ دیتا ہوں اور پیش کش کرتا ہوں
اپنی طرف سے تمھاری خدمت میں۔ واقدی کہتا ہے کہ یہ فعل حضرت عمرؓ
دیکھ جناب امیر علیہ السلام نے شکر گزاری کی اور کل مسلمانوں نے

جو جو اس وقت وہاں حاضر و موجود تھے شکر گزاری حضرت عمرؓ کی کی۔ اور واضح رہے کہ شکر گزاری مسلمانوں کی اس راہ سے تھی کہ حضرت نے پاس قرابت و فرزندی رسولؐ کر کے اس ہدیۂ بہیہ کے ساتھ امام حسین علیہ السلام کو مخصوص کیا اور جناب امیر علیہ السلام کا شکریہ ادا کرنا بالخصوص اس راہ سے زیادہ تھا کہ حضرت کے بھی فرزند کی خاطرداری حضرت عمرؓ نے کی۔ اور بعد اس کے پھر واقدی نے اور حالات لکھنا شروع کئے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ لکھا ہے کہ قضا و قدر الٰہی کا مقتضا یہ ہوا کہ پسر کسرےٰ یعنی یزدجرد نے جب شکست کھائی اور ہزیمت اٹھائی اور مدائن سے

بھاگا تو مقام حلوان میں گیا اور مقام حلوان میں دیالمہ اور اساورہ و مزاربہ وغیرہ جتنے لوگ شکست کھا کے بھاگے تھے۔ سب وہاں پر آ کے ابن کسرےٰ سے ملے اور متفق ہو گئے۔ پس ابن کسرےٰ یعنی یزدجرد نے اٹھ کے اور کھڑے ہو کے ایک خطبہ پڑھا اور اپنی سلطنت کا ہٹ جانا اور اپنی بیٹی کا گرفتار ہو جانا اور اپنے خزانوں کا لٹ جانا اور اپنے اموال کا تباہ ہو جانا لوگوں کے آگے بیان کیا اور رو دیا۔

اور جتنے ارکان دولت اسکے تھے اس کے رونے پر وہ بھی سب کے سب روئے۔ اوریزدجرد نے اپنے خطبے میں بیان کیا کہ اے اہل فارس! دنیا نہایت زشت کردار بدافعال چیز ہے اور جلدی سے زائل ہوجاتی ہے اور بہت قریب کوچ کر جاتی ہے۔ اپنے ملک وسلطنت وحکومت کو دیکھو کہ کیسے مٹ گئی اور زائل ہوگئی۔ اور اپنے شہروں اور ملکوں کو دیکھو کہ اس میں غیر آکے سکونت پذیر ہو گئے۔ اور اپنے قلعوں کو اور مضبوط حصاروں کو دیکھو کہ وہ فتح کر لئے گئے۔ اور اپنے اپنے حصن اور قلعوں کو دیکھو کہ وہ کھود ڈالے گئے۔ اور اپنے اموال کو دیکھو کہ وہ لوٹ لئے گئے اور اپنی بیٹیوں کو دیکھو کہ وہ گرفتار ہو کے بندی بنائی گئیں۔

بعد اس کے واقدی نے اور حالات لکھنا شروع کئے ہیں کہ ان کے لکھنے سے کچھ غرض نہیں۔ اس قدر بیان سے یہ مقصود تھا کہ بعض علماء عجم نے جو ان فنون سے بے خبر ہیں۔ ان روایات میں جن میں حضرت شہربانو کا عہد عمرؓ میں گرفتار ہو کے آنا بیان ہوا ہے

بہ نشبیہ کیا ہے کہ یزدجرد تو عہدِ عثمانؓ میں مارا گیا اور اسکی بیٹی کا عہدِ حضرت عمرؓ میں آنا قبل اسکی مرگ کے بعید ہے۔ پس یہ سارا قصہ اس لئے بیان کیا گیا کہ یہ معلوم ہو جاوے کہ تاریخ سے بہ خوبی اور مفصل یزدجرد کے سامنے عہدِ حضرت عمرؓ میں گرفتار ہو کے آنا حضرت شہربانو کا اور پھر یزدجرد کا خبر بھی پانا اور افسوس کرنا اور لوگوں کے آگے بہ کمال آہ وزاری و گریہ بے قراری اپنی بیٹی کے قید ہو جانے کا بیان کر کے رونا بخوبی ثابت ہے۔ اور ظاہرا یہ عبارت جو اس نے بیان کی کہ تمھاری بیٹیاں گرفتار ہوئیں تو اس سے اشارہ حضرت شہربانو کی گرفتاری کی طرف ہے۔ اب قبل اس بات کے کہ حضرت شہربانو کے گرفتار ہو کے آنے میں جو اختلاف روایات کا ہے اس کی تحقیق عمل میں آوے

یہ امر مجھے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اول کل وہ اقوال واختلافات جو اس امر میں واقع ہوئے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی والدہ کون تھیں مفصل جہاں تک کہ میری نگاہ سے گزرے ہیں بیان کر دئیے جاویں اور بعد اس کے جمع وتطبیق وترجیح روایات

میں ایک کلام مناسب کیا جاوے اس لئے کہ جناب مولانا المجلسیؒ نے
بحار یا کسی اور کتاب میں اور کسی اور عالم نے کسی کتاب میں بالکل
اس کا کچھ تعرض نہیں کیا ہے ۔ اور آج تک کسی عالم نے کسی طرح
اس بارے میں کچھ نہ تحقیق کیا ہے اور نہ کچھ لکھا ہے چنانچہ جس قدر
اختلاف اس بارے میں ہے کہ حضرت کی والدہ کون تھیں حصہ اس کا
بہ قدر میری نظر کے یوں ہے کہ جناب مولانا علی ابن عیسے الاربلی
کتاب کشف الغمہ میں لکھتے ہیں کہ ماں حضرت کی ایک ام ولد تھیں
کہ نام ان کا غزالہ تھا اور ابراہیم بن اسحاق سے بھی انھوں نے
نقل کیا ہے ۔ اور عبدالعزیز ابن اخضر جنابذی سے کہ مصنف کتاب
معالم العترۃ الطاہرہ ہے نقل کیا ہے کہ اس نے حضرت کی والدہ
کا نام سلامہ بیان کیا ہے ۔ اور کتاب المو الید شیخ ابن الخشاب سے
نقل کیا ہے کہ حضرت کی والدہ خولہ بنت یزدجرد ملک فارس تھیں
اور لکھتے ہیں کہ یہ وہی ہیں جن کا نام جناب امیر علیہ السلام نے
شاہ زنان رکھا تھا بعد اس کے لکھتے ہیں کہ یہ بھی ایک قول

ہے کہ ان کا نام برہ بنت نوشجان ہے۔ اور جناب علّامازندرانی نے کتاب المناقب میں علے مانقل عنہ فی البحار لکھا ہے کہ ماں حضرت کی شہر بانو تھیں اور شاہ زماں اور جہاں بانو یہ اور سلافہ اور خولہ بھی ان کو کہتے ہیں۔ اور جناب ثقۃ الاسلام نے کتاب کافی میں لکھا ہے کہ ماں حضرت کی سلامہ بنت یزدجرد ابن شہریار بن شہرویہ بن کسرےٰ پرویز تھیں۔ اور جناب مولانا المجلسی نے بحار کی گیارہویں جلد میں ایک قول یہ بھی نقل فرمایا ہے کہ حضرت کی والدہ شاہ زنان بادشاہ کاشان کی بیٹی تھیں اور مُبَرّد لحوی عالم مشہور صاحب کتاب کامل سے نقل کیا ہے کہ والدہ حضرت کی سلافہ اولاد یزدجرد شاہ ایران سے تھیں اور نہایت مشہور شہزادیوں سے اور مستورات ذی عزت ووقار سے ہیں اور عمدہ ترین مخدرات سے ہیں۔ اور کتاب دروس مصنف جناب شہید اول سے نقل فرمایا ہے کہ والدہ حضرت کی شاہ زنان بنت

شہرویہ بن کسرے پرویز تھیں۔

راقم حقیر کہتا ہے کہ کتاب تہذیب الاحکام میں جناب شیخ الطائفہ رضوان اللہ علیہ کے بھی لکھا ہے کہ والدہ حضرت کی شاہ زنان بنت شہرویہ بن کسرے بن پرویز تھیں۔ اور جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے دسویں جلد میں بحار کی کتاب المناقب سے علامہ مازندرانی کی نقل فرمایا ہے کہ صحیح نام حضرت کی والدہ کا شہربانو ہے اور وہ بیٹی یزدجرد شہریار کی ہیں اور جناب امیر علیہ السلام نے ان کا نام مریم رکھا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ فاطمہ رکھا تھا اور سیدۃ النساء کہ کے پکاری جاتی تھیں۔ اور کتاب اعلام الوری سے نقل کیا ہے کہ نام حضرت کی والدہ کا شاہ زنان تھا۔ یہاں تک عبارت بحار کی نقل ہوئی۔ اور جناب شیخ صدوق محمد بن بابویہ قمی علیہ الرحمہ نے کتاب کمال الدین و تمام النعمۃ میں بہ سند معتبر ابو نصر سے روایت کی ہے کہ جب امام محمد باقر علیہ السلام

کا وقت اختصار پہنچا تو آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت
صادق علیہ السلام کو بلایا اور عہدۂ امامت ان کو تفویض فرمایا
تو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے بھائی زید بن علی ابن الحسین
نے حضرت سے کہا کہ جو بات امام حسن علیہ السلام نے کی تھی اگر
آپ بھی وہی کرتے اور اسی طریقہ پر عمل کرتے اور اسی نظیر کے
مطابق فرماتے تو مجھے یہ امید تھی کہ یہ فعل آپ کا کوئی برا کام
نہ ہوتا۔ واضح رہے کہ زید کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح امام حسن علیہ السلام
نے باوصف اس کے کہ ان کی اولاد تھی مگر اپنے کسی بیٹے کو اپنا
وصی اور بعد اپنے امام نہ کیا۔ اسی طرح اگر آپ بھی اپنی اولاد کو اپنا
وصی اور بعد اپنے امام نہ کرتے بلکہ اپنے بھائی کو امام اور اپنا
وصی کر جاتے جس طرح کہ امام حسنؑ نے اپنے بھائی امام حسینؑ کو امام
اور وصی اپنا کر دیا تھا تو کوئی قباحت کی بات نہ تھی اور غرض زید
کی یہ تھی کہ جس طرح امام حسنؑ نے اپنے بھائی امام حسینؑ کو وصی کیا

آپ اپنا وصی مجھے کر جائیے۔ اور بعد اپنے مجھے امام قرار دیجئے۔ امام حسنؑ کا امام حسینؑ کو وصی کرنا بہ طور نظیر کے انھوں نے بیان کیا۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ان کو جواب دیا کہ یا ابالحسن امر امانت نظیروں پر نہیں ہوتا اور نہ کسی کے کئے سے ہو سکتا ہے۔ واضح رہے کہ ابوالحسن کنیت زید کی ہے اور مطلب حضرت کا یہ ہے کہ امامت میرے اختیار میں نہیں ہے کہ میں امام حسنؑ کے فعل کی نظیر قائم کر کے اپنے بھائی کو امام بنا دوں یا جس کو چاہوں امام کر جاؤں۔ بعد اس کے حضرت نے فرمایا کہ امامت کے بارے میں پہلے ہی سے احکام الٰہی جاری ہو چکے ہیں اور حجتہائے خدا ان امور کو ظاہر کر چکے ہیں۔ بعد اس کے حضرت امام محمد باقرؑ نے جابر بن عبداللہ انصاری کو بلوا بھیجا اور جابر سے فرمایا کہ صحیفہ جو تم نے دیکھا ہے اس کا حال بیان کرو۔ جابر نے کہ صحابی جناب رسالت مآب کے تھے عرض کی کہ بہت خوب یا اباجعفر۔ اور کنیت امام محمد باقرؑ کی کنیت

ابوجعفرؑ سے۔ جابرؓ نے بیان کیا کہ ایک دن میں اپنی سیدہ جناب فاطمہؑ بنت رسول اللہ کی خدمت میں گیا اس لئے کہ ان کو مبارکباد دوں پیدا ہونے کی امام حسینؑ کے۔ میں نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں ایک صحیفہ ہے سفید و آب دار موتی کا۔ میں نے عرض کی کہ اے سیدۃ النساء یہ صحیفہ کیا ہے جو میں اس وقت دیکھ رہا ہوں؟ جناب سیدہ نے فرمایا کہ اس میں نام ہیں ان اماموں کے جو میری اولادؑ سے ہوں گے۔ میں نے عرض کی کہ مجھے دیجئے اس صحیفہ کو کہ میں دیکھوں۔ جناب سیدہ نے فرمایا اگر ممانعت نہ ہوتی تو میں جو تم کہتے ہو وہی کرتی یعنی تمھیں دیکھنے کو دے دیتی مگر ممانعت ہے کہ اس صحیفہ کو سوا نبی اور وصی نبی اور اہل بیت نبیؑ کے اور کوئی نہیں دیکھ سکتا ہے۔ مگر تم دور سے اسے دیکھو۔ اوپر سے جو کچھ کہ اس کے اندر ہے معلوم ہوگا واضح رہے کہ چونکہ وہ صحیفہ نہایت صاف اور نورانی تھا تو اندر اس کے جو مکتوب تھا وہ اوپر سے پڑھ لیا جاتا ہے۔ اس واسطے

جناب سیدہؑ نے یہ فرمایا۔ جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جو اسے پڑھا تو اس میں لکھا ہے کہ ابو القاسم محمد بن عبد اللہ المصطفیٰ ان کی والدہ آمنہ بنت وہب ابو الحسن علی ابن ابی طالب مرتضےٰ ان کی والدہ فاطمہ بنت اسد حسن و حسین ان کی والدہ فاطمہ بنت محمدؐ ابو محمد علی بن الحسین العادل ان کی والدہ شاہ بانو یہ بنت یزدجرد شاہنشاہ محمد بن علی باقر ان کی ماں ام عبد اللہ بنت حسن بن علی ابن ابی طالب ابو عبد اللہ جعفر بن محمد صادق ان کی ماں فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ ابو ابراہیم موسے بن جعفر ثقہ ان کی والدہ ایک جاریہ ہیں جن کا نام تجمہ' ابو جعفر محمد بن علی الزکی ان کی والدہ ایک جاریہ ہیں جنکا نام خیزران ابو الحسن علی بن محمد امین۔ ان کی والدہ ایک جاریہ ہیں جن کا نام سوسن ابو محمد حسن بن علی رفیق ان کی والدہ ایک جاریہ ہیں۔ جن کا نام سمانہ اور ام الحسن کنیت' ابو القاسم محمد بن الحسنؑ حجت خدا ہیں تمام خلق پر اور قائم ہیں ان کی والدہ ایک جاریہ ہیں جن کا نام

ہے نرجس۔ تمام ہوا ترجمہ حدیث کا۔ اور اس حدیث سے نام
والدہ حضرت امام زین العابدینؑ کا شاہ بانویہ معلوم ہوتا ہے۔ اب
میں کہتا ہوں کہ اور جو کتب ہمارے علماء اسلام کے ہیں اور
میری نگاہ سے گزری ہیں اور تفصیل ان کی درج کرنا مقتضی بہ طول
کلام ہے اور بیکار ہے ان میں بھی اسی طرح اختلاف نکلتا ہے مگر
کل اقوال سے اتنے ہی اسماء و القاب یا انھیں ناموں میں سے
کوئی نام و لقب نکلتا ہے۔ ان کے علاوہ اور کوئی نام حضرت کی
والدہ کا میری نگاہ سے نہیں گزرا۔ اگرچہ کچھ اختلاف جزوی پایا
جاتا ہے مثلاً ملا صالح علیہ الرحمہ کی شرح کافی میں کشف الغمہ سے
نام نامی ان شہزادی گرامی کا بجائے خولہ خویلہ بہ تصغیر نقل کیا ہے اور
حاشیہ کتاب جنۃ الامان الواقیہ مشہور بہ مصباح کفعمی کے نسخہ حاضر
میں جو عبارت سرائر کی نقل کی ہے اس میں حضرت زین العابدین کی
والدہ کا نام شہر شاہ بیان کیا ہے جو بہ معنے شہر بانو کے ہے۔ اور

ان سب اقوال و روایات کو کہ غیر محصور ہیں جمع کرنے سے اتنا تو گویا تواتر معنوی کے قریب معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت امام حسینؑ کی ایک زوجہ خاندان شاہِ عجم سے تھیں اور وہی حضرت امام زین العابدینؑ کی والدہ ہیں۔ اور کشف الغمہ میں بعض اقوال جو نقل ہوئے ہیں ان میں اور بہت سی کتب میں جو امام زین العابدینؑ کی نسبت لکھا ہے کہ ماں حضرت کی ام ولد تھیں تو ایک تو یہ احتمال ہوتا ہے کہ چونکہ ایک ام ولد یعنی حرم نے جناب امام حسینؑ کی حضرت کو پرورش کیا تھا اور وہ حضرت کی والدہ مدت تک بلکہ ہمیشہ مشہور رہیں اور لوگ انھیں کو حضرت کی والدہ جانا کئے تو ان راویوں نے جن سے یہ منقول ہے کہ والدہ حضرت کی ام ولد تھیں اشتباہ سے انھیں اُمِ ولد کو حضرت کی والدہ بیان کر دیا ہو۔ اور سلامہ ان کا نام ہو۔ مگر یہ احتمال نہایت ضعیف ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ چونکہ حضرت کی والدہ اسیری میں آئیں اور بنا بر ظاہر اکثر روایات نکاح بھی نہیں

ہوا بلکہ استرقاق کہ جو مثل نکاح کے ہے وہی باعث ازدواج ہوا یا اگر بنابر احادیث سابق کے نکاح ہوا تو تاہم بہ سبب قید ہونے کے اور بندی میں آنے کے اور بوجہ اشتباہ حال و مخفی ہونے امر نکاح کے بعض اشخاص ان کو عرفاً ام ولد کہہ سکتے تھے تو اس وجہ سے ایسی شاہزادہ عجم کو بعض رواۃ نے ساتھ لفظ ام ولد کے تعبیر کیا۔ یہ احتمال قوی ہے بلکہ قطعی ہے۔ چنانچہ کتاب وفیات الاعیان اور بہت سی کتب میں حضرت شہربانو کا آنا اور ان کا یزدجرد کی بیٹی ہونا اور امام زین العابدینؑ کا ان کے بطن سے اور سالم اور قاسم کا ان کی بہنوں کے بطن سے تولد ہونا بیان ہوا ہے۔ اور بعد اس کے لکھا ہے کہ عرب لونڈیوں کو ام ولد نہیں بناتے تھے یعنی ان کو صاحب اولاد نہیں کرتے تھے اور اس امر کو اچھا نہیں جانتے تھے۔ مگر جب یہ تینوں شخص ایسے لائق و فائق نکلے کہ ان کا مثل نہ تھا تو کنیزان غارت شدہ قوم عجم وغیرہ سے اولاد پیدا کرنے کی طرف عرب کو

رغبت بہت ہوئی۔ اس کلام میں حضرت شہر بانوؑ پر اطلاق ام ولد اور کنیز کا ہوا ہے اور یہ اسی راہ سے ہے کہ وہ بندی میں آئی تھیں اور بیش تر لوگوں کے نزدیک ان سے نکاح نہیں ہوا۔ بہر حال یہ قول کہ جس میں حضرتؑ کی والدہ کو ام ولد بیان کیا ہے مخالف اس بات کے نہیں ہے کہ حضرتؑ کی والدہ وہی شاہ زادی عجم کی ہیں۔

اب باقی رہا اختلاف روایات کا اس بارے میں کہ یہ شاہ زادی آیا عہد حضرت عمرؓ میں آئی جیسا کہ کافی و بصائر و خرائج وغیرہ میں حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے۔ یا عہدِ عثمانؓ میں جیسا کہ عیون اخبار الرضا میں حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے یا عہد جناب امیرؑ میں جیسا کہ شیخ مفید وغیرہم نے لکھا ہے تو ان سب روایتوں کے ملاحظہ سے دو امر پیدا ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ایک ہی شاہ زادی عجم کی جناب امام حسینؑ کے عقد میں آئیں اور انھیں کے حال میں یہ سب اختلاف پڑا ہے۔ یہ احتمال زیادہ تر قوی اور بلکہ گو یا یقینی ہے اور کل روایات بہ دلالت منطوقی اسی امر پر دلالت کرتی ہیں تعدد روایات میں نہیں پایا گیا۔ دوسرا احتمال ضعیف ہے۔ اگرچہ ملا آغائے دربندی صاحب

اکسیر العبادات فی اسرار الشہادت علمائے عجم سے بھی اس احتمال کی طرف مائل ہوئے ہیں اور وہ یہ ہے کہ شائد دو شہزادیاں یا دو زنان عجمیہ حضرت کے عقد میں آئیں۔ ایک عہد حضرت عمرؓ یا عہد حضرت عثمانؓ میں اور دوسری عہد جناب امیر علیہ السلام میں۔ ایک تیسرا احتمال یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تین یا تین سے زائد شہزادیاں یا زنان عجمیہ حضرت کے عقد میں آئی ہوں۔ مگر یہ احتمال بعید اور خلاف اصل ہے اور کوئی ضرورت بھی ایسے احتمال کے تجویز کی نہیں ہے اس لئے کہ اگر یہ تسلیم کرلیا جاوے کہ دو شہزادیاں حضرت کے عقد میں آئی تھیں۔ تو عمدہ منافات و اختلافات روایتوں کا جاتا رہے گا بس اسی قدر کافی ہے اور اس سے زیادہ بعد و غرابت عظیمہ رکھتا ہے۔ مگر یہ احتمال ضعیف ہوسکتا ہے کہ دو شہزادیاں حضرت کے عقد میں آئی ہوں اور وہ حرم جنھوں نے جناب امام زین العابدین علیہ السلام کو پرورش کیا تھا علیحدہ ہوں۔ اور یہ جس قدر نام مذکور ہوئے بعض اسماء ان میں کے اُن ایک شاہزادی کے نام ہوں جو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی والدہ ہیں۔ اور بعض اسماء

ان میں سے دوسری شاہزادی کے نام ہوں جو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی فی الحقیقت والدہ نہ تھیں۔ مگر چونکہ وہ بھی عجم کی شہزادی تھیں اور گرفتار ہو کے آئی تھیں بعض راویوں نے اشتباہ سے ان دوسری شاہ زادی کو حضرت کی والدہ خیال کیا اور بتا دیا اور لکھ دیا۔ اور بعض اسماء ان مختلف ناموں سے یا کوئی نام ان حرم کا ہو جنھوں نے بہ حکم جناب امیر علیہ السلام حضرت کو پالا۔ چنانچہ فرض ہو سکتا ہے کہ شہر بانویہ اور شاہ زنان یا شہزنان اور شاہ جہاں یا جہاں شاہ کہ درحقیقت یہ سب ایک ہی نام ہیں حضرت کی والدہ کے نام ہوں اور بروایت نوش جان دوسری شہزادی کا نام ہو جو حضرت کے عقد میں آئیں اور راویوں نے شبہ سے ان کو حضرت کی والدہ بیان کر دیا۔ اور غزالہ مثلا ان حرم محترم کا نام ہو جنھوں نے حضرت کو پالا تھا۔ یا اور کوئی نام منجملہ ان ناموں کے جو مذکور ہوئے ان حرم کا نام ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ انھیں شہزادی نے جو دوسری زوجہ تھیں اور حضرت کی حقیقی والدہ نہ تھیں حضرت کو پالا ہو۔ اور یہ احتمال گو کہ نہایت ضعیف ہے مگر اس احتمال کو تسلیم کر کے اگر ایسا فرض کریں کہ وہ شہزادی بانو

روایات یا ان کتب میں آگیا۔ یا یہ احتمال ضعیف یہ کہا جاسکتا ہے
کہ یزدجرد کا شہرو یہ بھی نام ہو۔ مگر یہ احتمال ازبس بعید ہے اور
قریب البطلان ہے۔ اور بنت ملک کاشان جو بعض اقوال
میں مذکور رہے تو ظاہرا کاشان عجم کے ملک میں ہے۔ پس بادشاہ
ایران وہی بادشاہ کاشان ہے۔ تو انھیں مخذرہ موقرہ بنت
یزدجرد ملک ایران کو کسی نے بنت ملک کاشان لکھ دیا ہے۔ اگرچہ
یہ بھی احتمال ہے کہ شاید نوش جان کو رواۃ میں ملک کاشان کہا ہو
اور نوش جان از جانب بادشاہ ایران کہ شاہنشاہ تھا خاص کاشان
کا بادشاہ ہو۔ اور جہاں شاہ اور شاہ جہاں اور شاہ زنان یا شہرنان
اور جہاں بانو یہ یہ سب نام انھیں شاہ زادی کے معلوم ہوتے ہیں
جو بنت یزدجرد تھیں۔ اور اگرچہ یہ لفظیں کئی ہیں مگر غالب یہ ہے
کہ ایک ہی نام کو بہ سبب اشتباہ و تساہل فی النقل راویوں نے
مختلف کرکے بیان کیا ہے۔ اور شہر بانو بھی ظاہرا معلوم ہوتا
ہے کہ نام انھیں شاہ زادی بنت یزدجرد کا ہے۔ اور بنابر
تصریح روایات ماضیہ شہر بانو جناب امیر علیہ السلام نے ان کا نام

رکھا ہے۔ اور یہ احتمال نہایت ضعیف بلکہ باطل ہے کہ یہ پانچوں نام جدا جدا سب حضرت شہر بانو کے ہوں۔ اور اظہر یہ ہے کہ نام ایک ہے اور اسی ایک نام کو رواۃ نے اشتباہاً یا اور اسباب مختلفہ کے پیدا ہونے سے مختلف الفاظ میں نقل کیا ہے۔ اور بہرصورت اس میں شک نہیں پایا جاتا کہ یہ کل نام ایک ہی شاہ زادی کے ہیں خواہ علیحدہ علیحدہ ہوں یا نام ایک ہو اور بہ سبب غلط و اختلاف حفظ رواۃ مختلف طور پر منقول ہوا ہو۔ اور اسی طرح سیدۃ النساء ظاہرا بلاشبہ انھیں شاہ زادی کا نام اور لقب ہے اس لئے کہ شاہ زنان کا ترجمہ ہے بلکہ بعید نہیں کہ نام اور لقب نہ ہو بلکہ شاہ زنان جو آپ کا لقب تھا اس لفظ کا ترجمہ ہی ہو اور فاطمہ اور مریم بھی بہ تقدیر صحت روایت انھیں کا نام معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ سلامہ اور سلافہ بھی انھیں شاہ زادی کا نام معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں لفظوں کے ساتھ نسب جو روایات صحیحہ و اقوال معتبرہ میں وارد ہوا ہے وہ نسب انھیں شاہزادی بنت یزدجرد کا ہے بلکہ بعید نہیں کہ یہ ایک ہی نام اور ایک ہی لفظ ہے کہ بہ سبب سہو رواۃ یا غلط کاتبین و ناسخین کے کسی کتاب

سلافہ اس کو لکھا ہے اور کسی کتاب میں سلامہ لکھا ہے۔ اور اسی طرح خولہ بھی نام انھیں معظمہ کا معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ تو ظاہر باطل و غلط معلوم ہوتا ہے کہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام کی والدہ کا نام برہ بنت نوش جان ہو۔ اس لئے کہ روایات بہت کثرت سے وارد ہیں کہ والدہ حضرت کی بنت یزدجرد ہیں۔ پس ظاہرا ان لوگوں کو جنھوں نے حضرت کی والدہ کا نام برہ بنت نوش جان بیان کیا ہے کچھ اشتباہ ہوگیا ہے گو کہ نہایت احتمال ضعیف ہوسکتا ہے کہ برہ بھی انھیں شاہ زادی بنت یزدجرد یعنی حضرت شہربانو کا نام ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ برہ بنت نوش جان کوئی دوسری زوجہ جناب امام حسینؑ کی ہوں یا خود حضرت شہربانو ہی کو کسی راوی نے اشتباہاً بنت نوش جان لکھ دیا ہو۔ مگر اظہر و اشہر یہی ہے کہ صحیح نام جناب امام زین العابدین علیہ السلام کی والدہ کا شہربانو ہے جیسا کہ جناب علامہ مازندرانی نے اور بیشتر علماء نے اختیار کیا ہے۔ اور شاہ بانویہ جو حدیث مذکور مطالب السؤل مصنف کمال الدین میں آیا ہے اس میں اور شہربانویہ میں کچھ تفاوت

معتدبہ نہیں بلکہ اس قدر اختلاف حفظ رواۃ و غلط نساخ سے پیدا ہوجاتا ہے اور اقوالے یہی ہے کہ یہ ایک ہی زوجہ منجملہ ازواج حضرت امام حسین علیہ السلام کی ہیں جن کو راویوں نے مختلف ناموں سے یاد کیا ہے اور وہ حضرت شہربانو ہیں اور نسب اُن کا صحیح وہی ہے جو اوپر بیان ہوا اور دوسری زوجہ کا احتمال نہایت ضعیف ہے۔ مگر اگر یہ احتمال اختیار کیا جاوے تو بحار کی دسویں جلد میں جو نقل کیا ہے کہ جب ہانی بن ثبیت نے جناب امام حسین علیہ السلام کے ایک صاحبزادے کو بروز عاشورا وقت شہادت امام حسین علیہ السلام شہید کیا تو شہربانو مثل اس شخص کے کہ جس کو دہشت سما جاتی ہے سکتہ کے عالم میں رہ گئیں اور اس صاحبزادے کو دیکھتی تھیں اور کچھ منہ سے نہ بولتی تھیں یعنی اس قدر صدمہ ہوا تھا کہ مثل سکتہ کی حالت کے خاموش اور گویا مدہوش ہو گئی تھیں۔ اور دوسری جگہ جو نقل کیا ہے کہ شہربانو نے بعد شہادت امام حسین علیہ السلام کے جب اہل حرم کو قید کر کے لے چلے اپنے تئیں فرات میں ڈال دیا اور ہلاک ہو گئیں تو یہ احتمال ضعیف ممکن ہے کہ شاید جن کا یہ حال بیان کیا ہے وہ ہی دوسری زوجہ عجمیہ حضرت کی ہوں

اور ان کا نام برّہ بنت نوشنجان ہو اور شہر بانو انھیں بھی اشتباہاً یا بوجہ شاہ زادی ہونے کے کہتے ہوں۔ یا یہ کہ بعض رواۃ نے مساہلۃً طبیعت سے وغلط میں اپنے تئیں واقع کرکے یہ خیال کیا ہو کہ جو مخدرہ والدہ اس صاحبزادہ مظلوم شہید کی تھی اور عالم سکتہ میں ہو گئی تھیں یا جن زوجہ امام حسین علیہ السلام نے اپنے تئیں فرات میں ڈال دیا وہ شہر بانو ہوں گی اور اس وجہ سے نام شہر بانو کا لے دیا حالانکہ اس کو معلوم نہ تھا کہ وہ کون سی زوجہ حضرت کی تھیں جنھوں نے اپنے تئیں فرات میں ڈال دیا یا جو عالم سکتہ میں ہو گئی تھیں۔ مگر یہ روایتیں جن سے جنگ کربلا میں تشریف رکھنا حضرت شہر بانو کا معلوم ہوتا ہے زیادہ اعتماد کے لائق نہیں ہیں۔ اور مجہول الاسانید ہیں۔ اور اقوے اور اظہر یہی ہے کہ حضرت شہر بانو والدہ امام زین العابدین علیہ السلام حضرت امام زین العابدین کے پیدا ہونے کے ساتھ ہی انتقال کر گئیں تھیں۔ اور چونکہ کتب احادیث و تاریخ ونسب وغیرہ میں سوا حضرت کی والدہ کے یہ کوئی نام منجملہ ان اسماء کے جو اوپر بیان ہوئے کسی اور زوجہ کے حضرت کی

کہیں بیان نہیں ہوئے سوا ایک مقام مناقب علامہ مازندرانی میں
بر طبق نقل جناب علامہ مجلسی مجلد دہم بحار میں کہ اس میں حضرت علی
شہید مشہور بہ علی اکبر ہیں ان کی والدہ کا نام برہ بنت عروہ بن مسعود
ثقفیہ ہے۔ پس ہو سکتا ہے کہ جس راوی نے حضرت امام زین العابدینؑ
کی والدہ کا نام برّہ ظاہر کیا ہے اس کو شبہ ہوا ہو اور برّہ حضرت
امام حسینؑ کی کسی اور زوجہ کا نام ہو جو والدہ حضرت علی شہید معروف
علی اکبر کی ہوں یا کسی اور صاحب زادے کے یا کوئی اولاد ان کی
نہ ہو اور بنت عروہ ابن مسعود ثقفیہ کا نام برہ ہونا ظاہرا غلط ہے
اس لئے کہ مشہور نام حضرت علی شہید کی والدہ کا جو ثقفیہ تھیں لیلےٰ
ہے جیسا کہ اور کتب میں بھی لکھا ہے گو یہ احتمال ضعیف کہا جا سکتا
ہے کہ برہ بھی ان کا نام ہو اور لیلےٰ بھی ہو۔ بہر تقدیر یہ احتمال
قوی حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام کی والدہ ہی کے اکثر یہ
نام معلوم ہوتے ہیں جو اوپر بیان ہوئے۔ اور شاید ان اسماء
میں سے بعض اسماء اور ازواج امام حسین علیہ السّلام کے ہوں۔
یا تعدد اسماء بوجہ غلط اور سوء حفظ رواۃ پیدا ہوا ہو اور ایک

انھیں والدہ امام زین العابدین علیہ السلام بہ اسماء مختلفہ لوگوں نے یاد کیا ہو اور لکھا ہو۔ اور احتمال اول نہایت بعید اور احتمال ثانی اقرب ہے۔ اور اشہر و اظہر نام والدہ امام زین العابدین علیہ السلام کا شہربانو ہے اور یہ بات کہ وہ عہدِ حضرت عمرؓ میں گرفتار ہوکے آئی تھیں جیسا کہ کافی وغیرہ میں منقول ہے اس میں بعض مشاہیر علماء و مصنفین عجم نے دو وجہ سے شبہ کیا ہے۔ ایک تو یہ کہ اولاد یزدجرد بعد قتل یزدجرد قید ہوئی ہے اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یزدجرد حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مارا گیا ہے پس حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس کی بیٹی کا گرفتار ہوکے آنا بعید ہے۔ راقم حقیر کہتا ہے یہ شبہ فقط ایسے شخص کی نگاہ میں عظمت رکھتا ہے جس نے صرف یہ ایک جملہ سن لیا ہے کہ استیصال یزدجرد کا زمانہ حضرت عثمانؓ میں تھا اور مغازی کی کتابیں اس نے نہیں دیکھیں۔ ورنہ اگر یزدجرد کے حالات سے کچھ مطلع ہو تو وہ ایسا شبہ نہیں کر سکتا۔ اسلئے کہ یزدجرد عہد حضرت عثمانؓ میں مارا گیا ہے تو اس حالت میں مارا گیا ہے کہ تنہا ایک طحان یعنی آٹا پیسنے والے کے گھر میں جا کے

پوچھا تھا اور اہل و عیال اس سے علیحدہ تھے اور خلافت حضرت عمرؓ میں
کئی بار فتح بہت بڑی بڑی اور عمدہ اور عظیم اہل اسلام کی بہ مقابلہ
افواج یزدجرد و افسران سلطنت ایران کے ہو چکی تھیں مثل
فتح قادسیہ و فتح جلولا و تسخیر مدائن و فتح نہاوند وغیرہ ۔ اور مکرر
غنیمت اہل اسلام کے ہاتھ آ چکی تھی اور کئی دفعہ غنیمت عہد حضرت عمرؓ
میں آ چکی تھی اور غنیمت میں نسوان و اموال سب ہی کچھ تھا اور مدائن کو
عہد حضرت عمرؓ میں یزدجرد نے خالی کر دیا تھا اور اس پر اہل اسلام نے
قبضہ کر لیا تھا ۔ اور ان وقائع متعدد میں کیونکر معلوم ہوا کہ نسوان
عجم اور خاندان شاہی اور منجملہ ان کے بیٹیاں یزدجرد کی اس بیرانی
اور بربادی میں جو عہد حضرت عمرؓ میں اہل ایران پر گزری ہے گرفتار نہیں
ہوئی تھیں یا گرفتار نہیں ہو سکتی تھیں ۔ اور کل عیال اور اطفال
آخر عہد تک یزدجرد کے ہمراہ ہی رہے چنانچہ خود ان معترض کو
اس امر کا تنبہ ہوا ہے اور انھوں نے ایسے ہی احتمال کر کے اپنے
شبہ کے ضعف کو خود بھی ظاہر کر دیا ہے لیکن یہ عالم معترض اگر
فن تاریخ سے آگاہی ضروری رکھتے تو نہ شبہ فرماتے نہ احتمال عقلی پر

بنا کر کے اس شبہ میں خود ہی ضعف پیدا کر دیتے۔ اس لئے کہ تاریخ فتوح العجم کی عبارت جو اوپر نقل کی گئی ہے اس سے صاف ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ میں اپنے والد یزدجرد کی حیات میں حضرت شہربانو گرفتار ہوئیں اور یزدجرد نے انکی گرفتاری کی خبر پائی ہے اور رویا ہے اور اپنی فوج اور رعیت سے فریاد کی اور درخواست امداد کی اور بہ تصریح حضرت شہربانو کی گرفتاری کی طرف اشارہ کیا۔ اور کچھ خصوصیت فتوح العجم کی نہیں ہے اور تواریخ بھی اس بیان سے مملو ہیں کہ حضرت شہربانو اسی طرح جس طرح واقدی نے بیان کیا ہی عہد حضرت عمرؓ میں گرفتار ہوکے آئی تھیں مگر بہ خوف تطویل بلا تحصیل ان تاریخ متعددہ متکرّرہ کی عبارت نقل نہیں کی گئی۔ دوسرا شبہ ان بزرگوار نے پھر کیا ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام بروقت شہادت جناب امیر علیہ السلام دو برس کے تھے اور اگر حضرت شہربانو کے ساتھ عہد حضرت عمرؓ میں عقد ہوا تو بہت بعید ہے کہ حضرت بیس برس کے بعد متولد ہوئے ہوں۔ راقم حقیر کہتا ہے کہ یہ شبہ مبنی ہے دو امروں کی تسلیم پر۔ ایک تو یہ ہے کہ

نہیں ہو سکتا ہے کہ حضرت شہر بانو کے نکاح کے بعد بہ زمانہ کثیر امام زین العابدین علیہ السلام متولد ہوں کہ ضرور ہے کہ سال ہی بھر کے اندر یا قریب اسی زمانہ کے متولد ہوئے ہوں۔ دوسرا امر یہ ہے کہ بروقت انتقال جناب امیر علیہ السلام کے سن حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا دو برس یا چار برس کا تھا۔ اور اگر یہ دونوں امر تسلیم کر لئے جاویں تو جتنی روایتیں اوپر بیان ہوئی ہیں سب غلط قرار پاویں گی سوا اس قول کے جو شیخ مفید کے ارشاد وغیرہ سے نقل ہوا ہے اور جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ حضرت کی والدہ کو جابر بن حریث نے عہد جناب امیر علیہ السلام میں گرفتار کر کے بھیجا تھا۔ اس لئے کہ بجز اس کے کہ حضرت شہر بانو عہد جناب امیر علیہ السلام میں آئی ہوں اور کسی طرح نہیں ممکن ہے کہ ساتھ ہی نکاح کے ولادت بھی امام زین العابدین علیہ السلام کی ہو اور بروقت انتقال جناب امیر علیہ السلام سن حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا چار برس یا دو برس کا ہو اس لئے کہ اگر زمانہ حضرت عثمانؓ میں بھی حضرت شہر بانو کا گرفتار ہو کے آنا فرض کیا جاوے جب بھی اگر ولادت حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی

متصل نکاح کے تھی تو بروقت انتقال جناب امیر علیہ السلام سن حضرت کا چار برس سے خواہ نخواہ زیادہ ہوگا۔ لیکن دونوں امر بہ قطع ویقین ثابت نہیں ہو سکتے اور کچھ ضرور نہیں ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام قریب زمانۂ نکاح پیدا ہوں۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ زمانۂ دراز کے بعد نکاح سے حضرت پیدا ہوئے ہوں اور مابین میں اور اولاد ہوئی ہو اور وہ زندہ نہ رہی ہو یا کسی سبب سے اولاد ہی نہ ہوئی ہو اور بعد مدت کے ہوئی ہو۔ اور یہ فرض کرنا کہ مابین ولادت جناب امام زین العابدین علیہ السلام اور وفات جناب امیر علیہ السلام بیس برس کا زمانہ گزرنا لازم آتا ہے یہ بھی قابل اعتماد نہیں اس لئے کہ جو وقائع جنگ سعد ابن ابی وقاص کے ہیں وہ سن پانزدہم ہجری میں واقع ہوئے ہیں۔ پس اگر فرض کر لیا جاوے کہ حضرت شہربانو عہد حضرت عمرؓ میں گرفتار ہو کے آئیں اور بہ فور ازدواج ان کے ساتھ جناب امام حسین علیہ السلام کے ولادت امام زین العابدین علیہ السلام کی ہوئی تو سن جناب امام زین العابدین علیہ السلام کا بروقت انتقال جناب امیر علیہ السلام چوبیس پچیس برس کا ہوگا۔ اور اگر یہ فرض کیا جاوے

کہ عبداللہ بن عامر بن کریز نے جب فتوحات خراسان حاصل کئے ہیں اس زمانہ میں حضرت شہر بانو بہ عہد عثمانؓ گرفتار ہو کے آئیں اور زمانۂ ازدواج ان کا ساتھ امام حسین علیہ السلام کے اور زمانہ ولادت اتصال رکھتا تھا تو چونکہ فتوحات خراسان سنہ تیس اور اکتیس میں واقع ہوئے ہیں۔ اور قتل یزدجرد سنہ اکتیس میں ہوا ہے پس سن حضرت کا دس گیارہ برس کا ہوگا۔ بیس کا کوئی حساب صحیح نہیں نہ جانب قلت میں نہ جانب کثرت میں لیکن یہ امر کچھ ضروری نہیں ہے کہ آغاز زمانۂ ازدواج اور زمانہ ولادت متصل فرض کیا جاوے اور زمانہ کثیر کے حائل ہونے میں فی مابین ولادت امام زین العابدین علیہ السلام اور آغاز ازدواج امام حسین علیہ السلام ساتھ حضرت شہر بانو کے کوئی قدرح نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ یہ امر ممکن ہے محال نہیں ہے ہرچند کہ مستبعد ہے۔ مگر استبعاد اور استغراب محض کی بنا پر احادیث میں قدح نہیں ہو سکتی۔ اور دوسرے یہ استبعاد مبنی ہے اس بات پر کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا سن بروقت انتقال جناب امیر علیہ السلام کے چار برس یا دو برس کا تھا۔ اور اس امر کی بھی تسلیم لازم وحتم رہے

نہیں ہے اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا سن بروقت شہادت جناب امیر علیہ السلام زیادہ ہو۔ چنانچہ جناب محقق عدیم النظیر و ناقد خبیر علامہ محمد بن شہر آشوب مازندرانی نے اپنا قول تحقیقی کتاب المناقب میں اپنی علّے مانقل عنہ فی البحار یہ لکھا ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام کی عمر شریف بہ ہنگام شہادت امام حسین علیہ السلام کے تیس برس کی تھی۔ پس لازم آتا ہے کہ وقت شہادت جناب امیر علیہ السلام حضرت زین العابدین علیہ السلام نو دس برس کے ہوں۔ علاوہ اس کے معترض نے ایک مقدمہ غیر ثابت کو ثابت فرض کر کے چند مشہور باتوں پر بنا کر کے حساب کر لیا۔ اور جو متواتر اور قطعی وقائع کی تاریخیں اور سنوات بہ اتفاق مورخین و محدثین و علماء معلوم ہیں نہ ان کو انھوں نے دیکھا اور نہ حساب کیا۔ اور اگر ان چیزوں کو دیکھتے تو یہ امر جو ان کے ذہن میں عالی ہو گیا ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام بروقت شہادت جناب امیر علیہ السلام دو برس کے تھے اس امر غیر ثابت پر ان بزرگوار کو کبھی زیادہ وثوق نہ ہوتا۔ اس لئے کہ جن کتب میں یہ لکھا ہے کہ جناب امام زین العابدین

علیہ السلام کا سن بر وقت انتقال جناب امیرؑ دو یا چار برس کا تھا تو
ان تاریخوں میں اور کتب میں جن میں یہ بات لکھی ہوئی ہے اور انکے
علاوہ اور کتب میں مرقوم ہے کہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام مدینہ
ہی میں متولد ہوئے ہیں۔ جس قدر کتب شیعہ وسنی کی ایسی ہیں جن میں
حضرت کا حال اور حضرت کے مقام ولادت کا حال بیان ہوا ہے
اور ان کتب کو راقم الحروف نے دیکھا سب میں ہی ایک قول دیکھا
کہ حضرت مدینہ میں پیدا ہوئے۔ کسی نے بہ جز مدینہ کے اور کہیں کی
ولادت حضرت کی نہیں لکھی۔ اور ان اقوال سے کہ جو اس قدر کثرت
سے ہیں یہ امر تو خود بہ خود باطل ہوگیا کہ جناب امام زین العابدین
علیہ السلام بروقت شہادت جناب امیر علیہ السلام دو برس کے ہوں
اس لئے کہ کتب سیر و تواریخ سے نہایت قوت کے ساتھ یہ امر ظاہر
ہوتا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے جب مدینہ سے سمت بصرہ کوچ
فرمایا ہے تو امام حسین علیہ السلام جناب امیر علیہ السلام کے ساتھ تھے۔
اور سنہ چھتیس میں جناب امیر علیہ السلام نے بلا شبہ مدینہ سے کوچ
فرمایا۔ تو ولادت جناب امام زین العابدین علیہ السلام کی انتہا یہ ہے کہ

سنہ ۳۶ چھتیس کے اواخر میں ہو۔ اور سنہ ۴۰ چالیس میں بلاشبہ جناب امیر علیہ السلام نے انتقال فرمایا۔ تو اگر حضرت امام زین العابدین مدینہ میں پیدا ہوئے ہیں تو ہرگز دو برس کی عمر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی بروقت شہادت جناب امیر علیہ السلام نہیں ہو سکتی۔ بلکہ چار برس سے بھی کچھ زیادہ ہونا عمر کا حضرت امام زین العابدین کی معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ عیال جناب امام حسین علیہ السلام کے اس سفر میں ہمراہ تھے۔ پس اگر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام مدینہ میں پیدا ہوئے تو سنہ ۳۶ چھتیس میں بلکہ غالباً اس سے پہلے متولد ہوئے ہوں گے۔ پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ دو برس یا چار برس کا سن ہونا حضرت کا جو چند اقوال میں پایا جاتا ہے موجب ایسے اطمینان و اذعان کا ہو جاوے کہ بلاشبہ یہ بات فرض کر لی جاوے کہ حضرت کا سن یہی تھا۔ اور اس سے کہیں زیادہ اور بڑھ کے جو امر مشہور اور متفق علیہ ہے کہ حضرت مدینہ میں متولد ہوئے ہیں اس پر وثوق نہ کیا جاوے اور جب کہ اس قول پر وثوق کیا جاوے کہ حضرت مدینہ میں متولد ہوئے تو یہ تو قول حضرت کا کہ

سن دو سال کا بر وقت انتقال جناب امیر علیہ السلام کے تھا خود بخود قطعاً باطل ہو جاتا ہے۔ اور اس قول میں بھی اشکال پیدا ہوتے ہیں کہ حضرت کا سن بر وقت شہادت جناب امیر علیہ السلام چار برس کا تھا۔ اور باوصف اس کے کہ حضرت امام زین العابدینؑ کا مدینہ میں متولد ہونا مشہور اور اکثر کتب میں مذکور ہے اگر اس پر وثوق قطعی نہیں ہو سکتا تو چند کتابوں میں اُس بات کا مذکور ہونا کہ حضرت کا سن دو یا چار برس کا تھا یہ بھی موجب اس کا نہیں ہو سکتا کہ یہ امر قطعاً تسلیم کر لیا جاوے کہ حضرت کا سن بر وقت شہادت جناب امیر علیہ السلام یہی تھا۔ اور منتہے الامر یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں میں معارضہ ہوگا۔ علاوہ اس کے جس قدر احادیث و دلائل اس بات پر قائم کئے گئے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام حضرت علی شہید سے جو اس زمانہ میں معروف بہ علی اکبر ہیں بڑے تھے اور اُن کا بیان آ گے ہو گا وہ سب دلائل و احادیث بھی مقتضی اس بات کی ہیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام کا سن بر وقت شہادت جناب امیر علیہ السلام چار برس سے زیادہ ہو اس لئے کہ ابو الفرج اصفہانی وغیرہ بیش تر

مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت علی شہید عہدِ عثمانؓ میں پیدا ہوئے اور خلاف اس قول کے کسی کے کلام سے نہیں پایا جاتا ہے۔ پس اگر یہ صحیح فرض کرلیا جاوے کہ حضرت علیؑ شہید عہدِ عثمانؓ میں متولد ہوئے ہیں اور یہ بھی مقدمہ صحیح فرض کرلیا جاوے کہ حضرت علی شہید سے جناب امام زین العابدین علیہ السّلام بڑے تھے تو ضرور ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام کا سن بہ وقت شہادت جناب امیر علیہ السلام چار برس سے بھی کہیں زیادہ ہو۔ پس جب کہ اس قول کے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام کی عمر بہ وقت انتقال جناب امیر علیہ السلام دو برس یا چار برس کی تھی اس قدر معارضات ومنافیات قویہ موجود ہیں تو باوصف اس کے ایسے قول پر وثوق کر کے ان احادیث واقوال مشہورہ میں جن میں یہ وارد ہوا ہے کہ جناب شہر بانو عہدِ عمرؓ میں گرفتار ہو کے آئیں تھیں یا عہدِ حضرت عثمانؓ میں گرفتار ہو کے آئی تھیں کب شبہ یا اعتراض ہوسکتا ہے بلکہ جتنے معارض اس قول کے بیان کئے گئے سب موید ومعاضد ان احادیث واقوال کے ہیں جن میں حضرت شہر بانو کا عہدِ عمرؓ یا عہدِ عثمانؓ میں گرفتار ہوکے

آنا وارد ہوا ہے۔ علاوہ اس کے یہ بھی لحاظ طلب ہے کہ جب کہ تین قسم کی روایات آئی ہیں تو ان میں سے تین احتمال پیدا ہوتے ہیں جن تین کو چھوڑ کے اور چوتھا احتمال نہ پیدا کرنا چاہئیے۔ احتمال اوّل یہ ہے کہ جب سعد بن ابی وقاص نے عہد عمرؓ میں غنیمت فارس بھیجی تو اسی زمانے کے قریب ولادت امام زین العابدین علیہ السلام کی بہ عہدِ عمرؓ ہوئی جس پر معترض کو اعتراض ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ عبداللہ بن عامر بن کریز نے جب خراسان فتح کیا تو اس وقت ازدواج امام حسین علیہ السلام کا حضرت شہربانو سے ہوا اور قریب بہ ازدواج حضرت کی ولادت ہوئی۔ تیسرا احتمال یہ ہے کہ جابر بن حریث جعفی بہ عہد جناب امیر علیہ السلام جب والی خراسان ہوئے اور انھوں نے دو بیٹیاں یزدجرد کی بھیجیں اور ایک ان میں سے امام حسین علیہ السلام کی زوجیت سے مشرف ہوئیں تو اسی زمانے کے قریب ولادت جناب امام زین العابدین علیہ السلام کی ہوئی۔ اب اگر یہ فرض کیا جاوے کہ اول و دوم احتمالات صحیح ہیں تو لازم آتا ہے کہ حضرت جناب امام زین العابدین علیہ السلام کا

سن بروقت شہادت حضرت جناب امیر علیہ السّلام چار برس سے زیادہ بلکہ چوبیس پچیس برس کا سن ہو یا نو برس کا۔ اور اگر احتمال سیوم لیا جاوے تو لازم آتا ہے کہ یہ امر جس پر بیش تر نص یقین کا اتفاق ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام مدینہ میں پیدا ہوئے غلط ہو جائے اس لئے کہ بعد فتح خراسان اور قبل شہادت جناب امیر علیہ السّلام کہاں حضرت امام حسین علیہ السّلام کو مدینہ میں آنا ہوا ہے۔ مگر البتہ یہ کہا جاوے کہ امام زین العابدین علیہ السّلام بعد انتقال جناب امیر علیہ السّلام متولد ہوئے۔ اور مدینہ میں جب متولد ہوئے ہیں کہ حسنین علیہما السلام کوفہ سے مدینہ میں آ چکے تھے تو مدینہ میں متولد ہونا حضرت کا اور روایت مذکورہ ارشاد شیخ مفید علیہ الرحمہ دونوں درست ہو جاویں گے اور کوئی اعتراض نہ ہو سکے گا۔ اور تائید اس کی قول صدوق علیہ الرحمہ یا قول ابو سہیل اسمٰعیل بن علی نوبختی سے جو ظاہرا کتاب التنبیہہ میں حسب نقل صدوق کتاب کمال الدین و تمام النعمۃ میں انھوں نے بیان فرمایا ہے ہوگی۔ اس لئے کہ ان کے قول میں جو مابعد میں منقول ہے یہ بیان ہے

کہ بر وقت شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام امام زین العابدین علیہ السلام بیس برس سے کم تھے ۔ اور اُن بہت سی روایات سے بھی تائید اس احتمال کی ہو گی جس میں وارد ہے کہ حمید ابن مسلم نے عمر ابن سعد سے جب کہ بعد شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام قاتلانِ شہداء بروز عاشورہ خیمہ میں داخل ہوئے ہیں یہ کہا ہے کہ امام زین العابدین صبی ہیں اور صبیان کا قتل نہ چاہئے ۔ اور اطلاق لفظ صبی بالمعنے الحقیقی کے لئے وضرور ہے کہ بیس برس سے حضرت کا سن بہت کم ہو ۔ اگرچہ اس امر کے ابطال ابن سعد نے کہ قدماء علماء اہل غلاف سے ہے بہت کلام کیا ہے ۔ نسخہ حاضرہ کشف الغمہ میں جو نظر راقم حقیر سے گزرا ہے مرقوم ہے کہ ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام اپنے والد کے ساتھ معرکہ کربلا میں تھے ۔ اور اُس زمانہ میں سن ان کا تیئیس برس کا تھا اور بیمار تھے اور بچھونے پر اپنے لیٹے ہوئے تھے ۔ جب حضرت امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے تو شمر لعین نے اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ ان کو قتل کرو ۔ پس شمر لعین کے لوگوں میں سے ایک شخص نے

کہا کہ سبحان اللہ القتل فتیً مریضاً حدثاً لم یقاتل یعنی آیا تو قتل کرتا ہے ایک جوان مریض کو جس نے جنگ نہیں کی۔ بعد اس کے ابن سعد نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ سن حضرت کا بروقت وفات اٹھاون برس کا تھا اور وہ روایت آئندہ بیان ہوگی اور اس روایت کو نقل کر کے ابن سعد کہتا ہے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اپنے والد کی آخر عمر میں تئیس یا چوبیس برس کے تھے۔ اور جس شخص نے یہ کہا ہے کہ حضرت کم سن تھے اس کا قول ہیچ ہے اور کچھ نہیں ہے بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت کم سن نہ تھے۔ مگر جنگ انھوں نے نہیں کی۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ جنگ کربلا میں جو حضرت قتل ہونے سے محفوظ رہے تو بہ سبب کم سنی کے محفوظ نہیں رہے بلکہ اس وجہ سے محفوظ رہے کہ شریک جنگ نہ تھے۔ بعد اس کلام کے ابن سعد کہتا ہے کہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ صغیر السن ہوں۔ حالانکہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام پیدا ہو چکے تھے۔ اور امام محمد باقرؑ سے جابرؓ بن عبداللہ انصاری سے ملاقات ہوئی ہے اور انہوں نے

انھوں نے روایت کی ہے اور جابرؓ بن عبداللہ نے سنہ آٹھ میں انتقال کیا ہے۔ تمام ہوا کلام ابن سعد کا۔ اگر ابن سعد کی تحقیق سے قطع نظر کر کے یہی فرض صحیح کیا جاوے کہ سن حضرت کا جنگ کربلا میں بیس برس سے کم تھا اور ولادت حضرت کی مدینہ میں ہوئی ہے تو جناب امیر علیہ السلام کے عہد میں حضرت کا پیدا ہونا باطل قرار پاویگا۔ نہ یہ کہ حضرت کا سن دو برس یا چار برس کا ہو۔ خلاصہ بیان یہ ہے کہ یہ قول جن لوگوں کا ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا سن بروقت شہادت جناب امیر علیہ السلام دو برس یا چار برس کا تھا بہت سے اقوال و روایات معتمد علیہا کے خلاف ہیں۔ بلکہ عجیب لطیف بات یہ ہے کہ معترض نے اس قول سے تائید روایت ابن الکلبی چاہی ہے۔ حالانکہ اس کی روایت کی رو سے یہ قول باطل ٹھرتا ہے اور اس کی رو سے اس کی روایت باطل ہوئی جاتی ہے۔ بجز اس کے کہ مدینہ میں ولادت حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی نہ تسلیم کی جاوے اور یہ کہا جاوے کہ سن حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا بروقت انتقال جناب امیر علیہ السلام دو برس کا تھا۔ اور

درصورتیکہ یہ کہا جاوے تو اس قول کے اختیار کرنے سے بہت
سے اقوال اور اخبار کا طرح لازم آوے گا۔ حالانکہ اس قول کو اُن
اخبار سے اور اقوال سے کوئی اولویت ایسی نہیں ہے کہ اس قول
کو مقبول قرار دیا جاوے اور ان جملہ اقوال کو مطروح کیا جاوے
اور اس پر وثوق و اعتماد کرکے احادیث مستفیضہ میں شبہ کیا جاوے۔
بلکہ برعکس اس کے چونکہ ہر طرح کی قوت اُن اخبار کو ہے جو مخالف
اس قول کے ہیں کہ حضرت کا سِن بروقت ارتحال جناب امیر علیہ السلام
دو برس یا تین برس کا تھا۔ تو ان احادیث پر اعتماد کرکے اس قول میں
شبہ پیدا ہوسکتا تھا۔ اگر مقدمہ اولیٰ ثابت ہوتا یعنی ولادت باسعادت
حضرت امام زین العابدین علیہ السلام متصل بہ نکاح حضرت شہربانو ثابت
ہوتی حالانکہ خود وہ بھی کوئی امر مقطوع بہ نہیں ہے۔ اور حائل ہونا زمانہ
کثیر کا مابین نکاح حضرت شہربانو اور ولادت حضرت امام زین العابدین
علیہ السلام ایک امر امکانی ہے گو مستبعد ہو۔ بہرصورت بیانات بالا سے
یہ امر بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ جس بات پر معترض نے اپنے اُس استبعاد
کو مبنی کیا ہے جو اس بارے میں معترض کو عارض ہوا ہے کہ حضرت

شہر بانو عہدِ عمرؓ میں آئی ہوں وہ بات اس کی صلاحیت نہیں رکھتی
کہ اُس پر بنا کر کے اُن اخبار و اقوال میں قدح کی جاوے جن میں
اُن کا آنا عہدِ عمرؓ میں مذکور ہے۔ مگر باوصف اس کے یہ بھی ملحوظ نظر
رہنا چاہئے کہ یہ قول جن لوگوں نے اختیار کیا ہے کہ حضرت امام زین العابدین
علیہ السلام کا سِن بروقت انتقال جناب امیر علیہ السلام دو برس کا تھا انکا
قول اُن جملہ اقوال سے مطابق ہے جن میں یہ بیان ہوا ہے کہ جابر
بن حریث جعفی نے حضرت شہر بانو کو گرفتار کر کے عہدِ عمرؓ میں جناب
امیر المومنینؑ کے پاس بھیجا تھا۔ اس لئے کہ جابر بن حریث جعفی نے
اگر عہد خلافت میں جناب امیر علیہ السلام کے خراسان سے دو بیٹیاں
یزدجرد کی بھیجیں تو نکاح حضرت شہر بانو ولادت حضرت زین العابدین
علیہ السلام اواسط عہد خلافت جناب امیر علیہ السلام میں ہو گی تو سن حضرت
کا بروقت انتقال جناب امیر علیہ السلام دو برس کا ہو گا۔ اور اُن اقوال
کے بھی مطابق ہے جن میں یہ بیان ہوا ہے کہ جناب امام زین العابدین
علیہ السلام کی ولادت ۳۷ھ سینتیس یا اڑتیس ۳۸ میں ہوئی ہے۔ اور
اُن اقوال و روایات کے بھی موافق ہے جن میں سن حضرت کا

ستاون برس کا بیان ہوا ہے۔ اگر یہ قول اختیار کیا جاوے کہ انتقال حضرت کا سنہ پچانوے ہجری میں ہوا ہے اگرچہ اکثر جن لوگوں نے لکھا ہے کہ سن حضرت کا بروقت انتقال ستاون برس کا تھا یا اس سے زیادہ یا کم لکھا ہے اُن لوگوں کی نسبت یہ احتمال کیا جاسکتا ہے کہ سال ولادت اور سال وفات دیکھ کے اور حساب کرکے اُن لوگوں نے حضرت کا سن اقدس لکھ دیا ہے۔ اور اس بنا پر اُن لوگوں کے اقوال میں جنھوں نے حضرت کا سن بروقت انتقال ستاون برس کا لکھا ہے یہ اشکال پیش ہوسکتا ہے کہ یہ حساب خود شاید قرارداد سال ولادت پر مبنی ہو۔ اور اصل قرارداد سال ولادت میں خطا واقع ہوئی ہو۔ مگر امعان نظر و تحقیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہوا ہے کہ کل علماء و مورخین نے جو سن حضرت کا لکھا ہے وہ سال ولادت اور سال وفات کے حساب سے حاصل کیا ہو۔ بلکہ کافی میں بہ سند متصل ایک حدیث حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے اور اس میں صاف تصریح ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی عمر شریف بروقت وفات ستاون برس کی تھی۔ اور جناب علی

بن عیسے الاربلی الوزیر کتاب کشف الغمہ عن معرفتہ الائمہ میں فرماتے
ہیں کہ ابن سعد نے طبقات میں اپنی لکھا ہے کہ مجھکو خبر دی عبدالرحمن
بن یونس نے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا سفیان نے اور اُس نے
روایت کی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہ حضرت امام
زین العابدین علیہ السلام نے جب انتقال کیا تو سن اُن کا اٹھاون برس
کا تھا۔ اور حضرت کے سن اور تاریخ ولادت و وفات کی تحقیق آئندہ
کی جاوے گی۔ مگر یہاں اس بیان سے فقط مراد اسی قدر ہے کہ حضرت
کے سن کے حالات اور تاریخ ولادت و وفات جو علماء نے بیان کی
ہے وہ صرف حساب سے اُن لوگوں نے نہیں دریافت کی بلکہ اس کا
ماخذ علاوہ حساب کے بھی اُن لوگوں کے پاس تھا جس طرح کہ یہ حدیث
کافی کی اور حدیث طبقات ابن سعد سے۔ پس یہ قول کہ حضرت
امام زین العابدینؑ کا سن بروقت انتقال جناب امیر علیہ السلام کے
دو برس کا تھا بہت سے مویدات رکھتا ہے۔ اگر حضرت کا سن بروقت
ارتحال ستاون کا تھا اور سنہ بچانوے یا چھیانوے یا ستانوے میں
علے اختلاف الروایات حضرت نے انتقال فرمایا ہے تو آپ کی

ولادت سنہ اڑتیس یا انتالیس یا چالیس کی قرار پاتی ہے۔ مگر انتالیس اور چالیس کا کوئی قول نہیں ہے۔ پس اگر یہ امر قطعی قرار دیا جاوے کہ سن شریف حضرت کا ستاون برس کا تھا تو سنہ اڑتیس کی ولادت اور سنہ پچانوے کی وفات صحیح نکلے گی۔ اور اگر سن حضرت کا اُنسٹھ برس کا فرض کیا جاوے جس طرح دوسری روایت میں آیا ہے تو ولادت حضرت کی سنہ چھتیس یا سینتیس یا اڑتیس کی قرار پاویگی۔ اور اگر پچپن برس کا سن حضرت کا قرار دیا جاوے جس طرح کہ ایک روایت میں آیا ہے تو ولادت حضرت کی سنہ چالیس سے بھی متاخر ٹھہرتی ہے۔ مگر یہ قول کہ سن حضرت کا پچپن برس کا تھا شاذ ہے اور بہر صورت ان امور پر جو یہاں بیان ہوئے نظر کرنے سے جو شبہ معترض نے اس بات پر وارد کیا ہے کہ حضرت شہربانو عہدِ عمرؓ میں آئی ہوں اس میں بہت قوت پائی جاتی ہے۔ اس لئے کہ حضرت کے سن شریف اور سال وفات اور ولادت کے مطابق کرنے سے ضرور یہ امر بہر حال واجب التسلیم ہوا جاتا ہے کہ ولادت حضرت کی جناب امیر علیہ السّلام کے عہد میں ہوئی ہے

اور اس وجہ سے جو روایت شیخ مفید وغیرہ نے وارد کی ہے کہ حضرت شہربانو کو جابر بن حریث جعفی نے عہد جناب امیر علیہ السلام میں گرفتار کرکے بھیجا ہے لائق ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ مگر یہ امر اسی پر مبنی ہے کہ یہ فرض کیا جاوے کہ زمانہ دراز حضرت شہربانو کے آنے میں اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی وفات میں حائل نہیں ہوا۔ اور اگر یہ فرض نہ کیا جاوے تو ترجیح اس روایت کی ضروری نہ ہوگی۔ اور یہ امر اگرچہ بہ نسبت اس بات کے کہ زمانہ کثیر حائل ہوا ہو اقرب وراجح ہے مگر اس امر کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ اُس پر بنا کرکے اُن احادیث واقوال متظافرہ متوافرہ میں قدح کی جاوے کہ جن میں حضرت شہربانو کا آنا عہد عمرؓ میں بیان ہوا ہے۔ اور اگر اس امر پر بنا کی جاوے کہ ولادت حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی مدینہ کے مقام میں ہوئی ہے جیسا کہ سب اہل علم لکھتے ہیں تو ولادت حضرت کی عہد عثمانؓ میں اقوائے معلوم ہوتی ہے۔ اور اس راہ سے جو حدیث عیون اخبار الرضا میں منقول ہے اور جس میں یہ بیان ہے کہ حضرت شہربانو عہد عثمانؓ میں آئی تھیں

اسی پر زیادہ وثوق ہوسکتا تھا مگر یہ امر نہایت دشوار معلوم ہوتا ہے کہ جتنے حالات اور جس قدر گفتگو جناب امیر علیہ السلام اور عمرؓ کی احادیث کافی و بصائر میں مذکور ہے وہ سب غلط ہو۔ اگرچہ ایک طریقہ جمع کرنے کا درمیان روایت مذکورہ کافی و بصائر وغیرہ کے اور درمیان روایت عیون اخبار الرضا کے یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ یعنی حضرت شہربانو کا گرفتار ہو کے آنا عہد عمرؓ میں واقع ہوا اور راویوں نے سہو و غلط سے روایت عیون اخبار الرضا میں بجائے نام عمرؓ نام عثمانؓ کا لے دیا ہو۔ چنانچہ جناب مولانا المجلسی نے بھی جلاء العیون میں یہ احتمال کیا ہے کہ ان دو قسموں کی احادیث کے راویوں میں سے ایک قسم کی احادیث کے راوی کو دھوکا ہوگیا ہے۔ اور جناب موصوف کو بھی میلان اس امر کی طرف ہے کہ دھوکا راوی حدیث عیون کو ہوا ہے کہ اس نے بجائے عمرؓ کے نام عثمانؓ کا بیان کیا۔ لیکن اس احتمال میں جس کو جناب علامہ مجلسی رحمہ اللہ نے ترجیح دی ہے نہایت اشکال ہے اس لئے کہ اس امر کا فرض کرلینا تو آسان ہے کہ راویوں کو بجائے عمرؓ کے سہواً و اشتباہاً عثمانؓ کا نام یاد رہ گیا مگر یہ بھی اس روایت میں

وارد ہوا ہے کہ عبداللہ ابن عامر نے جب ملک خراسان فتح کیا تو حضرت شہر بانو کو گرفتار کر کے بھیج دیا اور عبداللہ ابن عامر نہ خود عہد عمرؓ میں واسطے فتح خراسان کے مامور ہوا تھا نہ خراسان عہد عمرؓ میں فتح ہوا ہے۔ پس یہ صاف دلیل اس بات کی ہے کہ راویوں کو کچھ شبہ نہیں ہوا بلکہ اصل حدیث میں نام عثمانؓ کا ٹھیک وارد ہے اور عمرؓ کا مفروض نہیں ہو سکتا۔ گر یہ احتمال کیا جاوے کہ قصہ فتح سعد ابن ابی وقاص بھول کے راویوں کو اشتباہاً بجائے اس کے قصہ عبداللہ ابن عامر یاد رہا تو ایسا احتمال ازبس بعید ہے اور نسبت حفظ روایت ایراد قدح شدید ہے۔ علاوہ اس کے جتنی روایات میں حضرت شہر بانو کا آنا بیان ہوا ہے اُن میں تنہا انہی کا آنا بیان ہوا ہے۔ اور اس روایت میں عیون اخبار الرضا اور نیز اُن روایات و اقوال میں جو ارشاد شیخ مفید وغیرہ میں لکھی ہیں دو بیٹیوں کی یزدجرد کا ساتھ گرفتار ہونا بیان ہوا ہے۔ یہ امر بھی قرینہ اس بات کا ہے کہ یہ قصہ سعد کا جو تاریخ واقدی وغیرہ میں مذکور ہے دوسرا قصہ ہے اور عبداللہ بن عامر کا گرفتار کر کے بھیجنا دوسرا

یزدجرد کی بھیج دینا ایک دوسرا قصہ ہے۔ اور علیٰ ہذالقیاس جابر بن حریث جعفی کا دو بیٹیوں کو یزدجرد کی گرفتار کرکے بھیج دینا ایک تیسرا قصہ ہے۔ اور جس بنا پر کہ جناب مولانا المجلسی رضوان اللہ علیہ نے بیان ہے کہ مآل دونوں روایتوں کا یعنی روایت عیون اخبار الرضا اور روایت مرقومہ کافی وسرایر وغیرہ کا ایک کردیں وہ بناء درست نہیں ہے اور دونوں حدیثوں کا مفاد ایک نہیں ہوسکتا بلکہ بہرصورت مختلف ہے۔ اور اگر یہ فرض صحیح ہوسکتا کہ اشتباہ سے ایک حدیث کے راوی کو دھوکا ہوکے بجائے عمرؓ کے نام عثمانؓ کا یا برعکس اس کے بجائے عثمانؓ کے نام عمرؓ کا یاد رہا تو اگر بعض وجوہ وقرائن سے اولویت اس امر کو ہے کہ جن اخبار میں نام عمرؓ کا مذکور ہے وہ صحیح ہیں اور جس روایت میں عہد عثمانؓ میں آنا اُنکا بیان ہوا ہے اُس میں راوی کو شبہہ ہوگیا ہے جیسا کہ جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کے نزدیک اولیٰ قرار پایا ہے تو ساتھ ہی اس کے بعض امور اس بات کے مقتضی ہیں کہ اس فرض سے بہتر اور عکس اولیٰ اس کا ہے یعنی یہ امر زیادہ اقوا سے واحسن ہے کہ یہ کہا جاوے کہ روایت

عیون اخبار الرضا کے راوی کو اشتباہ نہیں ہوا بلکہ راویوں کو اُن احادیث کے اشتباہ ہوا ہے جنھوں نے عہدِ حضرتِ عمرؓ میں حضرت شہر بانو کا گرفتار ہو کے آنا بیان کیا ہے۔ اور انھوں نے بجائے حضرتِ عثمانؓ کے حضرتِ عمرؓ کا نام اشتباہاً بیان کیا۔ اور اصل حقیقت یہ تھی کہ حضرت شہر بانو کو عبداللہ بن عامر نے عہدِ حضرتِ عثمانؓ میں گرفتار کر کے بھیجا۔ اور جو کچھ حالات احادیث کافی و بصائر و خرائج وغیرہ میں اور طبری کی کتاب میں اور مناقب بن شہر آشوب میں لکھے ہیں یہ سب امور عہدِ حضرتِ عثمانؓ میں واقع ہوئے مگر راویوں کو ان احادیث و روایات کے اشتباہ سے بجائے حضرتِ عثمانؓ کے حضرتِ عمرؓ کا نام یاد رہا۔ اور وجہ اس احتمال کے اقوائے واحسن ہونے کی یہ ہے کہ چونکہ بنا بر حساب سنِ شریف حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے ولادت حضرت کی عہدِ حضرتِ عمرؓ میں کسی طرح نہیں معلوم ہوتی۔ اور حیلولت زمانہ دراز یا سنہ ولادت حضرت کے اور مابین نکاح کے اگرچہ ممکن ہے مگر بعید ہے۔ اور خصوصاً اس نظر سے زیادہ بعید ہے کہ خرائج کی روایت سے پایا جاتا ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے

فرمایا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے بروقت وقوع تزویج حضرت شہر بانو کے ساتھ حضرت امام حسین علیہ السلام کے حضرت امام حسین علیہ السلام سے یہ کلمہ ارشاد فرمایا کہ عن قریب ان کے بطن سے وہ شخص پیدا ہوگا جو اپنے زمانہ میں تمام اہل زمین سے بہتر ہوگا۔ اور یہ کلمہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ زمانہ وقوع تزویج کا اور ولادت کا حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی قریب ہو۔ اگرچہ قرب وبعد امور اضافیہ سے ہیں اور ان کی کوئی تحدید خاص نہیں مگر مقتضے اس لفظ کا بھی وقوع قرب ہے مابین ولادت حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اور مابین تزویج حضرت شہر بانو کے۔ اگر یہ فرض کیا جاوے کہ حضرت شہر بانو عہد عثمانؓ میں گرفتار ہو کے آئیں اور ولادت حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی اوائل عہد جناب امیر علیہ السلام میں یعنی ۳۶ھ (چھتیس) میں ہوئی تو حیلولت زمانہ دراز کی فی مابین ولادت حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اور حضرت شہر بانو کے آنے کی ہمیں لازم آتی ہے۔ اور یہ امر ضروری فرض کیا جاوے کہ حضرت

امام زین العابدین علیہ السلام مدینہ میں متولد ہوئے ہیں تو ولادت حضرت کی علی الاقوی عہد عثمانؓ میں ہوئی ہے۔ پس ان امور پر نظر کرکے روایت عیون اخبار الرضا کو اصح قرار دینا اور یہ فرض کرنا بہتر ہے کہ گرفتاری حضرت شہر بانو کی عہد عثمانؓ میں وقوع پذیر ہوئی تھی۔ اور جو کچھ کہ حالات طبری کی کتاب میں اور مناقب علامہ ملندانی میں اور روایات کافی وبصائر وخرائج میں مذکور ہیں یہ سب امور عہد عثمانؓ میں وقوع پذیر ہوئے مگر راویوں نے ان روایات کے اشتباہ کی وجہ سے بجائے عثمانؓ کے سہواً نام عمرؓ کا یاد رکھا اور بیان کر دیا۔ اور تائید اس احتمال کی اُن اقوال و اخبار سے زیادہ تر ہو گی جن میں ولادت حضرت کی بہ مقام مدینہ بیان کی گئی ہے اور اُن اقوال میں کچھ خلاف و اختلاف نہیں ہے۔ اور ان اقوال کی رو سے یہ فرض بہرحال ضرور ہے کہ ولادت حضرت کی عہدِ عثمانؓ میں ہو اور بہ روایت ابن الکلبی جس کے موافق شیخ مفید اور دیگر بعض اہل علم نے بھی لکھا ہے پر ضرور ہے کہ ولادت حضرت کی کوفہ میں ہو۔ یا حضرت عہد خلافت جناب امیر علیہ السلام میں

اور ان کی حیات میں متولد نہ ہوئے ہوں۔ پس جب کہ ان اقوال سے ولادت حضرت کی مدینہ میں ثابت ہے اور اکثر لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت کی ولادت جناب امیر علیہ السلام کے زمانۂ حیات میں ہوئی اور کوفہ میں ولادت حضرت کی کسی نے بیان نہیں کی ہے تو عہد حضرت عثمانؓ میں حضرت کی والدہ کا آنا ان اقوال کی رو سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور ابن الکلبی کی روایت میں جو بیان ہوا ہے کہ جابر بن حریث جعفی نے یزدجرد کی بیٹیوں کو بھیجا تو یہ احتمال ضعیف ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اور کوئی شہزادی یا کوئی زنِ عجمیہ بھیجی ہو کہ جو جناب امیر علیہ السلام نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو عطا کی ہو۔ اور دوسری جو زنِ عجمیہ ان کے ساتھ ہو وہ حضرت نے محمد ابن ابی بکرؓ کو دی ہو اور راویوں نے غلطی سے توہم کیا ہو کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام ان کے بطن سے ہیں۔ لیکن اس احتمال میں کہ حضرت شہربانو عہد حضرت عثمانؓ میں آئیں اور رواۃ نے تاریخ واقدی و احادیث بصائر و خرائج و کافی کے سہواً اُن کا آنا عہد حضرت عمرؓ میں بیان کر دیا اول تو وہی اشکال ہے جو اوپر ہم نے اُس احتمال میں کیا ہے جس کو جناب

علامہ مجلسی نے ترجیح دی ہے بلکہ بہ نسبت اس احتمال کے جس کو
جناب موصوف نے ترجیح دی ہے اس احتمال میں اشکال زیادہ ہے اس لئے
کہ اولاً تو ایک قصہ مطول و مفصل واقدی کی کتاب سے اوپر بیان ہوا
کہ مرج حلوان میں اس طرح جنگ واقع ہوئی اور اس طرح ہاشم نے حضرت
شہر بانو کو گرفتار کیا اور سعد کے پاس بھیجا اور سعد نے حضرت عمرؓ کے پاس
بھیجا اور حضرت عمرؓ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت بابرکت
میں بھیجا۔ اور علیٰ ہذا القیاس ایک داستان بسیط البیان طبری و علامہ
مازندرانی کی کتاب سے نقل ہوئی۔ اور علیٰ ہذا القیاس احادیث معتمد
علیہا بھی کافی وغیرہ سے نقل کی گئیں۔ تو بہت بعید ہے کہ یہ وقائع
عظیمہ عہد حضرت عثمانؓ میں واقع ہوئے ہوں اور رواۃ کو ایسا اشتباہ ہوا
ہو کہ ان وقائع کو باوصف اس کے کہ عہد حضرت عثمانؓ میں واقع ہوئے
تھے راوی لوگوں نے جو ایسی کثرت کے ساتھ ہیں اور مختلف اشخاص
مختلف سلسلوں میں روایات کئے ہیں سبھوں نے بالاتفاق مبتلائے
اشتباہ و التباس ہو کے عہد حضرت عمرؓ میں بیان کر دیا۔ علاوہ اس کے جو وقائع
کہ واقدی نے نقل کئے ہیں کچھ شبہ نہیں ہے کہ قبل عہد حضرت عثمانؓ واقع

ہوئے تھے۔ گو کسی امر جزوی میں اُس کے اشتباہ و التباس فرض کیا
جاوے۔ پس بعد فرض صحت ان وقائع کے اور بعد فرض صحت
اس بات کے کہ بنت یزدجرد عہدِ عمرؓ میں گرفتار ہوئیں ہرگز متخیل نہیں
ہوسکتا کہ راویوں کو شبہ ہوا ہو اور ایسا مسلسل قصہ ایسے وقائع کثیرہ
پر مشتمل بالکل عہد عثمانؓ میں ہوا ہو اور رواۃ نے اس کا واقع ہونا عہدِ عمرؓ
میں سہواً یاد رکھا ہو اور بیان کر دیا ہو۔ علیٰ ہذا القیاس ان دونوں قسم
کی روایات و اقوال کا جن میں آنا حضرت شہر بانو کا عہدِ عمرؓ میں یا عہد
عثمانؓ میں بیان ہوا ہے جمع ہونا ساتھ روایت ابن الکلبی کے بھی
دشوار ہے۔ مگر ربیع الابرار سے جو روایت کتاب وفیات الاعیان
میں قاضی ابن خلکان کی اور حبیب السیر میں منقول ہے وہ ساتھ
اُن روایات کے جن میں آنا اُن کا بہ عہدِ عمرؓ بیان ہوا ہے بہ آسانی
جمع ہوسکتی ہے۔ اس لئے کہ کوئی فرق اُس روایت ربیع الابرار
اور اُن جملہ روایات میں نہیں ہے۔ بجز اُس کے کہ اس میں تین بیٹیوں
کا یزدجرد کی گرفتار ہو آنا بیان ہوا ہے اور اور روایات و اقوال
میں ایک بیٹی کا ذکر ہے تو یہ کچھ بڑا اختلاف نہیں ہے۔ اور ہوسکتا کہ

اُن دو بیٹیوں کا ذکر اُن راویوں نے جن کے کلام میں ایک ہی بیٹی
کا ذکر ہے اس وجہ سے فروگزار کر دیا ہو کہ اُن دو بیٹیو کا ذکر کچھ
اُن راویوں کو اہم نہ تھا۔ اور احادیث کافی وبصائرؔ وغیرہ میں
بھی شاید اسی وجہ سے اُن کا ذکر متروک ہوا ہو۔ اگرچہ عبارتوں
سے ان احادیث و اقوال کی یہ احتمال بھی دشوار معلوم ہوتا ہے،
تاہم اس قدر اشکال اس احتمال میں نہیں ہے۔ اور روایت
ربیع الابرار ساتھ روایت ابن الکلبی کے بھی ایک جزو اخیر کے
جمع ہوسکتی ہے۔ اس لئے کہ عطا ہونا ایک بیٹی کا محمد ابن ابی بکرؓ کو
اور ایک کا حضرت امام حسین علیہ السلام کو اور حقیقی خالہ زاد بھائی
ہونا جناب امام زین العابدین علیہ السلام اور قاسم بن محمد ابی بکرؓ کا
دونوں روایتوں میں مذکور ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ ایک تیسری بیٹی
یزدجرد کی عبداللہ ابن عمرؓ کو ملی ہو اور بدیں وجہ تینوں شخص یعنی
حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اور قاسم اور سالم حقیقی خالہ زاد
بھائی ہوں اور سہو یا تساہل کی راہ سے ایک بیٹی کا ذکر راواۃ سے
روایت مذکورہ ارشاد شیخ مفید کے متروک ہوگیا ہو۔ مگر جزو اولین

روایت ربیع الابرار اور جزو اولین روایت ابن الکلبی میں بڑا اختلاف ہے اس لئے کہ روایت ابن الکلبی میں عہد جناب امیر علیہ السلام میں آنا دو بیٹیوں یزدجرد کی پایا جاتا ہے اور روایت ربیع الابرار میں تین بیٹیوں کا آنا عہد حضرت عمرؓ میں مذکور ہے۔ بہرحال خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہاں تین قول ایسے مختلف ہیں کہ ایک کو اُن میں سے دوسرے قول کے ساتھ ایسا تضاد اور خلاف اور ایسی میانیت ہے کہ نہ بلا شائبہ تاویل و تکلف جمع ہو سکتے ہیں اور نہ بہ تاویل و تکلف آسان و قریب۔ اس لئے کہ اگر کسی قول میں کسی قسم کا سہو یا اشتباہ اتفاقی بھی فرض کر لیا جاوے جب بھی ان تین قولوں میں جمع اور رفع اختلاف ممکن نہیں تفصیل و تصریح ان تینوں اقوال مختلف کی اس طرح پر ہے کہ منجملہ ان تین قولوں کے ایک قول تو یہ ہے کہ عہد حضرت عمرؓ میں ایک بیٹی یزدجرد کی گرفتار ہو کے آئی اور اس سے حضرت امام حسین علیہ السلام کا عقد ہوا یا حضرت کو عطا ہوئی۔ اور اسی دختر یزدجرد کے بطن سے امام زین العابدین علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور یہ قول ساتھ اُس قول کے جو ربیع الابرار سے وفیات الاعیان اور حبیب السیر میں

منقول ہے جمع ہو سکتا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ عبداللہ بن عامر بن کریز نے جب خراسان فتح کی تو دو بیٹیاں یزدجرد کی گرفتار کر کے بھیجیں اور اُن میں سے ایک حضرت امام حسین علیہ السلام کو عطا ہوئی اور ایک حضرت امام حسن علیہ السلام کو۔ اور جو بیٹی یزدجرد کی امام حسینؑ کو عطا ہوئیں اُن سے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ عہدِ خلافت ظاہری جناب امیر علیہ السلام میں جابر بن جعفی نے دو بیٹیاں یزدجرد کی گرفتار کر کے بھیجدی تھیں۔ اُن میں ایک حضرت امام حسین علیہ السلام کو عطا ہوئی ہیں اور ایک محمدؓ بن ابی بکرؓ کو۔ اور جو حضرت کو عطا ہوئی ہیں اُن سے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام پیدا ہوئے ہیں اور جو محمد ابن ابی بکرؓ کو عطا ہوئیں اُن سے قاسم بن محمدؒ پیدا ہوئے۔ اور قاسم حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی تھے۔ اور ان تینوں اقوال کی تائید کے لئے بڑے بڑے دلائل قائم ہو سکتے ہیں۔ قول اول کی تائید اس امر سے ہے کہ مورخین نے

بہ اتفاق ایک سلسلہ اور انتظام کے ساتھ گرفتاری حضرت شہربانو کا حال عہدِ عمرؓ میں بیان کیا ہے اور اُن سب اقوال مورخین کو باطل اور غلط قرار دینا موجب رفع امان کا اقوال اصحاب سیر سے ہے۔ علاوہ اس کے حدیثیں بھی متعدد حضرات ائمہ علیہم السلام سے مطابق اس قول کے وارد ہوئی ہیں۔ لیکن اس قول میں اگر یہ امر نہ تسلیم کرلیا جاوے کہ زمانہ دراز مابین ولادت حضرت امام زین العابدینؑ اور مابین نکاح حضرت امام حسین علیہ السلام ساتھ حضرت شہربانو کے واقع ہوا یہ قباحت لازم آتی ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا سن اُس مقدار سے جو مقدار علماء مصنفین نے حضرت کے سن کی بروقت انتقال جناب امیر علیہ السلام کے لکھی ہے بہت زیادہ ہو علیٰ ہذا القیاس حضرت کی عمر شریف اُس مقدار سے بھی جو مقدار حضرت کے سن شریف کی بروقت شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام اکثر اصحاب حدیث و تاریخ ونسب نے بیان کی ہے بہت زیادہ قرار پاتی ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس بروقت انتقال فرمانے خود حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے بھی جو سن حضرت کا لکھا ہے

اُس سے حضرت کا کہیں سن زیادہ ہونا لازم آتا ہے۔ اس لئے
کہ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ ولادت حضرت کی عہد عمرؓ میں ہوئی ہے
تو بروقت انتقال حضرت کا سن قریب ستر برس کے یا ستر برس
سے زیادہ ہوگا۔ حالانکہ سن حضرت کا کسی شخص نے انسٹھ برس
سے زیادہ نہیں لکھا ہے۔ علاوہ اس کے اکثر لوگوں نے حضرت
کی ولادت عہد جناب امیر علیہ السلام میں لکھی ہے پس اگر ولادت
حضرت کی عہد عمرؓ میں قرار دی جاوے تو یہ سب اقوال غلط
ہوجاویں گے۔ مگر ممکن ہے کہ یہ کہا جاوے کہ بعد عقد مدت دراز
تک ولادت حضرت کی نہیں ہوئی۔ لیکن یہ امر بھی مستبعد ہے
اگرچہ ممکن ہے اور گویا مخالف ہے اُس مضمون کے جو خرائج سے
اوپر نقل ہوا کہ جناب امیر علیہ السلام نے حضرت شہربانو سے
بروقت عقد فرمایا کہ عنقریب ایک فرزند تم سے پیدا ہوگا۔ اگرچہ
قرب کے معنے میں بحث ہوسکتی ہے۔ اور دوسرے قول کی تائید
اس بات سے ہوسکتی ہے کہ اکثر لوگوں نے حضرت کی ولادت
مدینہ میں بیان کی ہے۔ اور اگر یہ قول اختیار کیا جاوے تو نہ تو

یہ لازم آتا ہے کہ حضرت کا سن بر وقت انتقال خود حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے اور بر وقت انتقال جناب امیر علیہ السلام اور شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کے زیادہ اُس مقدار سے ہو جو احادیث و اقوال اہل علم میں مذکور ہے۔ بلکہ اُن جملہ اقوال سے جن میں حضرت کے سن شریف کی بر وقت ان وقائع کے تصریح وارد ہے جمع و تطبیق اس روایت کے ساتھ ہو سکتی ہے بدوں اس بات کے کہ حیلولت زمان دراز فی مابین ازدواج حضرت شہر بانو و ولادت حضرت امام زین العابدین علیہ السلام جو ایک امر مستبعد ہے تسلیم کر لیا جاوے۔ لیکن جو دلیلیں قول اول کی تقویت پر وارد ہو سکتی ہیں وہ سب بہ عینہا اس قول ثانی کے ضعف و بطلان پر دلالت کرتی ہیں۔ اور تیسرا قول اگرچہ مخالف پڑتا ہے اُن اقوال کے جن میں تصریح ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام مدینہ میں متولد ہوئے جب کہ ان اقوال کو صحیح فرض کیا جاوے اور ساتھ ہی اُن کے یہ بھی تسلیم کیا جاوے کہ حضرت کی ولادت عہد جناب امیر علیہ السلام میں تھی لیکن بالکل مطابق ہوتا ہے اُن اقوال و اخبار کے

جن میں حضرت کے سن کی تصریح کی گئی ہے۔ اور علاوہ اس کے یہ قول مورخین ونسابین وارباب سیرو آثار میں بہت مشہور ہے اور اکثر کتب میں عامہ و خاصہ کے مذکور ہے۔ پس یہ قول بھی خالی قوت سے نہیں ہے اور جب کہ یہ فرض کیا جاوے کہ ولادت حضرت کی بعد شہادت جناب امیر علیہ السلام ہوئی جیسا کہ بنا بر اُن اقوال کے لازم آتا ہے جن میں بیان ہوا ہے کہ معرکہ کربلا میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا سن بیس برس سے کم تھا تو کوئی منافات اس روایت اور اُن روایات واقوال میں باقی نہیں رہتی جن میں یہ مذکور ہے کہ ولادت حضرت امام زین العابدین علیہ السلام مدینہ میں تھی۔ مگر یہ جملہ اقوال نہ تو خود فی نفسہا مفید قطع و یقین ہو سکتے ہیں اس لئے کہ تواتر اور احتفافات بہ قرائن کہ جو افادہ یقین تک پہنچ جاوے ان میں حاصل نہیں ہے۔ اور نہ وہ دلائل جو کسی قول کی تائید میں قائم ہو سکتے ہیں یا کسی قول کے ابطال پر قائم ہو سکتے ہیں مفید قطع ہیں۔ بلکہ ان روایات سے مختلف ظنون پیدا ہوتے ہیں کہ جو باہم متعارض اور نقض

ہیں۔ اور کوئی امر ایسا قوی ذہن میں نہیں گزرتا جو ان تین طرح کے مختلف اقوال میں سے کسی قول کو ایسی قوت دے کہ وہ بہرحال لائق ترجیح ہو جاوے۔ مگر یہ امر جملہ روایات و اقوال سے ثابت ہے کہ والدہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی ایک شہزادی عجم کی تھیں۔ اب ایک امر تو یہ مظنون ہوتا ہے کہ دو شہزادیاں عجم کی حضرت امام حسینؑ کی زوجیت اور صحبت سے مشرف ہوئی ہیں جن میں سے ایک والدہ حضرت امام زین العابدینؑ کی ہیں۔ اور غالباً حضرت کی والدہ وہ شاہزادی ہیں جو عہد حضرت عثمانؓ یا عہد جناب امیرؑ علیہ السلام میں آئی ہیں۔ اور دو بیٹیوں کا یزدجرد کی گرفتار ہو کے آنا ایک ہی واقعہ ہے جس میں بہ وجہ اشتباہ رواۃ کسی روایت میں عمر بن حریث کا نام آ گیا ہے اور کسی میں عبداللہ بن عامر کا۔ اور ایک شاہزادی کا عہد حضرت عمرؓ بن الخطاب میں آنا دوسرا واقعہ ہے۔ یہ شاید ایک ہی شاہزادی کے بارے میں اس قدر شبہ رواۃ کو ہو گیا ہے۔ مگر امر اول اس راہ سے بعید ہے کہ کسی کے کلام سے اس امر کی تائید نہیں ہو سکتی کہ دو شہزادیاں حضرت کے عقد میں

آئی ہیں بلکہ کل روایات و اقوال سے یہی پایا جاتا ہے کہ ایک ہی شاہ زادی کا حال ہے جو مختلف طرح پر منقول ہوا ہے۔ اور امر ثانی اس رادے سے بعید معلوم ہوتا ہے کہ تین واقعے علیحدہ علیحدہ وارد ہوئے ہیں۔ تو اُن میں سے کسی کا بالکل غلط اور بے بنیاد ہونا یا رواۃ کا اس درجہ سہو کرنا خواہ مغالطہ میں پڑنا نہایت بعید ہے۔ اب یہاں ایک امر عظیم پر تنبیہ ضرور ہے کہ بعض جہال شیعہ کو اس قصہ میں اسیری حضرت شہر بانو کی اور حضرت امام زین العابدینؑ کی ولادت اور حضرت امام حسینؑ کا ان کے ساتھ نکاح کرنے میں یا بلا نکاح بطور رقیت مشرف بہ صحبت فرمانے میں ایک شبہ عظیم پیدا ہوتا ہے کہ جس کی بنیاد کچھ نہیں۔ اور نہ اُس کی طرف اہل علم کا خیال جا سکتا ہے اس لئے کہ وہ شبہ ایسے اصول اور بنیادوں پر مبنی ہے جو بالکل غلط اور بے اصل ہیں۔ مگر چونکہ عوام کو بہت اُس سے تردد پیدا ہوتا ہے وہ بہت ہی کچھ اُس شبہ کو سخت اور مشکل جانتے ہیں۔ تقریر اُس شبہ کی بنا بر مذہب امامیہ کے جس طرح کہ عوام کے ذہن میں راسخ ہے یہ ہے کہ جب کہ خلافت حق جناب امیرؑ کا تھا

اور جو لوگ کہ تسلط ظاہری خلافت پر رکھتے تھے اُن کو کوئی حق خلافت میں نہ تھا۔ اور جہاد بے اذن امام برحق کے جائز نہیں تو وہ جہاد جس میں حضرت شہربانو گرفتار ہو کے آئی ہیں ناجائز تھا۔ اور جب کہ وہ جہاد ناجائز تھا تو اس کے جتنے افعال ہیں وہ سب بھی ناجائز ہوئے۔ تو ان کا گرفتار ہونا اور بندی میں آنا بھی ناجائز ہوا اور ان کا عطا ہونا حضرت امام حسین ؑ کو ناجائز ہوا اور العیاذ باللہ ان پر تصرف بھی اس راہ سے حضرت کے لئے جائز نہیں قرار پاتا ہے۔ اس شبہ کی جتنی تقریر ہے وہ سب غلط اور بے اصل باتوں پر مبنی ہے اور قابل التفات اہل علم نہیں ہے۔ مگر عوام اکثر ایسے شبہ کی طرف خیال لے جاتے ہیں اور اس کو زبان پر لاتے ہیں۔ اور جن لوگوں سے پوچھتے ہیں ان سے جواب معقول مقبول نہیں پاتے ہیں۔ تو اب ضرور ہوا کہ اس شبہ کی رگ و ریشہ تو اچھی طرح قطع کیا جاوے۔ پس واضح ہو کہ بنابر قول سیوم کے جس کا بیان اوپر ہوا کہ حضرت شہربانو عہد میں جناب امیر علیہ السلام کے گرفتار ہو کے آئیں یہ شبہ خود بخود جڑ سے باطل ہوا جاتا ہے اور کچھ حاجت اس کے

دفع کرنے کی نہیں رہتی۔ اور بنابر روایت خرائج کے بھی اسی طرح جڑ سے یہ شبہ باطل ہوا جاتا ہے اور زیادہ طول کلام کی اس میں حاجت نہیں۔ اس لئے کہ جب حضرت شہر بانو بہ تعلیم و تلقین جناب سیدہؑ اسلام قبول کر چکی تھیں اور ان کے ساتھ نکاح ہوا تو قید ہونا اُن کا اور بندی میں آنا وہ سب امور ظاہریہ اور باطل تھے۔ چونکہ وہ مسلمہ تھیں حضرت نے ان سے نکاح کیا اور یہ امر سراسر مطابق شریعت کے واقع ہوا۔ علیٰ ہذا القیاس بنابر روایات منقولہ از جلد دہم و پانزدہم بحار الانوار کے بھی کوئی اشکال نہیں پیدا ہوتا۔ اس لئے کہ بہ رضائے حضرت شہر بانو کا نکاح ہوا۔ پس اگر بہ قول عوام جہاد ناجائز تھا اور حضرت شہر بانو رقیت میں نہیں آئی تھیں تو وہ اپنے نفس کی مختار تھیں اور انھوں نے بہ صحت تمام مطابق شریعت اسلام حضرت سے نکاح کیا۔ اب رہے وہ روایات کہ جن میں یہ آیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے یا حضرت عمرؓ نے حضرت شہر بانو کو حضرت امام حسین علیہ السلام کو عطا کیا اور جن روایات میں نکاح کا ذکر نہیں ہے تو ان کے جواب میں پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ مسئلہ شرعیہ دربارہ کفار کے کیا ہے۔

اور گو کہ اُس مسئلہ کو جس کی بنا پر عوام نے شبہ کیا ہے یہاں سے کچھ
تعلق بھی نہیں ہے بلکہ جو صورت مسئلہ کی یہاں متعلق ہے اُس کا بیان
آگے کیا جاوے گا مگر چونکہ مسلمان جس طرح مالک کفار کا ہوتا ہے اُسکی
بنیاد بھی غیر صحیح عوام کے ذہن میں ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ
بنا، ملکیت کی صرف گرفتاری بہ طور جائز سے حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا
ضرور ہے کہ اولاً یہ امر اُن کے ذہن سے نکالا جاوے اور ملکیت
مسلم اوپر کافر کی اصل حقیقت بیان کی جاوے اگرچہ فقیہ اور اہل علم
کو کچھ مسئلہ بتانے کی حاجت نہیں ہے مگر چونکہ کلام جہال و عوام
سے ہے تو بیان کیا جاتا ہے مسئلہ شرعیہ جس کا بیان کتب فقہ میں
ہوا ہے یہ ہے کہ کفار حربی ملک بالقوۃ اہل اسلام کے ہیں اور جس طرح
کہ لکڑی جنگل کی یا طیور یا مچھلیاں دریا کی یا پانی دریا کا جب تلک کہ
کسی کے قبضہ میں نہیں ہے کسی کا مال نہیں ہے۔ اور جب کسی کے
قبضہ میں آگیا مثلاً دریا سے پانی کسی نے بھر لیا تو اُس کا مال ہو گیا۔
پس اسی طرح طیور کو جب تلک شکار نہیں کیا یا مچھلی کو جب تلک
دریا سے نہیں پکڑا جب تلک ملک بالفعل کسی کا کسی مسلمان کی نہیں ہے

مگر جب کہ مچھلی کو پکڑ لیا یا جانور کو شکار کر لیا یا وہ مال اُس اہل اسلام کا ہو گیا جس نے اُسے شکار کیا۔ اسی طرح لکڑی جب جنگل سے کاٹ لی وہ مال خاص اُس اہل اسلام کا ہو گیا جسنے اُس لکڑی کو کاٹا ہے۔ اسی طرح جب کسی کافر حربی کو کسی مسلمان نے گرفتار کر لیا خواہ کسی وجہ سے اُس کا قبضہ ہو گیا وہ مملوک خاص اُس کا ہو گیا۔ یہاں تلک کہ کتب فقہ میں تصریح کی ہے کہ اگر کوئی کافر کسی کافر کو بیچے اور مسلمان اُس کافر کو کافر فروشندہ سے مول لیوے تو قیمت جو اُس نے دی وہ بیکار ہوئی بہ وجہ اس کے کہ کافر ملک مسلم کا ہے۔ جب کہ مول لینے کے ذریعہ سے مسلم خریدار نے اُس کافر پر قبضہ کر لیا تو قبضہ کے ذریعہ سے وہ کافر جس سے مول لیا ہے مملوک خاص اُس اہل اسلام کا ہو گیا جس نے مول لیا۔ اس امر کو فقہا مثل اس کے سمجھتے ہیں کہ اپنی چیز اگر کسی کے قبضہ میں ہو اور وہ بے قیمت نہ دیتا ہو اور بہ مجبوری اپنی ہی چیز کو کسی غاصب سے مول لینا پڑے تو قیمت جو دے وہ بیکار ہو جاوے گی۔ اور چونکہ وہ چیز ہمارا مال تھا جب ہمارے قبضہ میں آگئی تو وہ ہماری ہے۔ اسی طرح

کافر بھی ہماری ملک تھا یعنی بالقوہ غیر معین صالح واسطے تملک خاص ہر فرد کے جمیع اہل اسلام سے تھا۔ اور پہلے سے یہ حالت اس کے لئے حاصل تھی کہ جب کوئی مسلمان اُس پر قبضہ کرلے وہ اُس کا مال خاص ہو جاوے۔ پس جب وہ کافر کسی خاص مسلمان کے قبضہ میں آگیا تو اس کی ملک خاص ہوگیا۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ جب کافر فروشندہ سے کافر کو مول لے سکتے ہیں تو فرض کیجیئے کہ اگر کسی فاسق نے غیر وجہ شرعی سے کسی کافر کو اپنے قبضہ میں کیا تو اُس کو مول لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ یہی شکل بعینہ ہبہ کی ہے مثلاً اگر کوئی کافر یا کوئی فاسق جو مالک کسی کافر کا بہ وجہ شرعی نہ ہو کسی کافر حربی کو ہبہ کردیوے تو اُس کا لینا بھی جائز ہوگا۔ پس اگر مجرد قہر و غلبہ اور بہ جبر قبضہ کرلینا اُن لوگوں کا جو حضرت شہر بانو کو گرفتار کرلائے تھے اُن کی تحقیق ملکیت کے لئے بہ فرض اس بات کے کہ حکم رقیت حضرت شہر بانو سے متعلق ہو کافی نہ بھی ہوتا اور در اصل وہ ملک اُن لوگوں کی خواہ حضرت عمرؓ ابن خطاب کی متصور نہ ہوتیں تو جب بھی قبول کرنے میں ہبہ کے کوئی کہ اگر وہ حضرت عمرؓ ابن الخطاب یا مجاہدین کی ملک

نہ تھیں تو جب حضرت تک پہنچیں ملک حضرت کی متصور ہوئیں۔ اور اگر وہ لوگ جو اُن کو گرفتار کرلائے تھے یا وہ شخص جس کے حکم سے گرفتار ہوئیں مالک اُن کے ہوگئے تھے۔ تو ہبہ اور بیع جو اُن لوگوں کی طرف سے یا اُن کی رضاء سے واقع ہوئی صحیح تھی۔ اور بہ ذریعہ بیع یا ہبہ صحیح شرعی کے جس شخص نے اُن کو لیا وہ اُنکا مالک شرعی ہوگیا اور اپنے زرخرید پر ہر شخص کو تصرف جائز ہے۔ بہر حال دونوں صورتوں میں تحقق ملکیت اور جواز تصرف میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے بنا بر اصول قواعد و مسائل فقہیہ امامیہ کے کوئی گنجائش شک و بحث کی نہیں ہے۔ عوام جو اس شبہ میں پڑے ہیں وہ اس امر سے بےخبر ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ اگر جہاد جائز میں بہ حکم امام کوئی گرفتار ہوتو وہ البتہ ملک اہل اسلام ہوسکتا ہے و الّا کسی طرح حکم ملک کافر سے متعلق نہیں ہے۔ حالانکہ یہ امر غلط ہے اور صورت مسئلہ کی وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی اور اُس کے بیان سے کل کتب فقہیہ مملو ہیں۔ یہ امر صرف اُن کے بطلان تخیلات فاسدہ کے لئے بیان ہوا ہے۔ ورنہ یہاں اس بحث کو بھی تعلق نہیں ہے بلکہ حضرت شہربانو غنیمت میں

آئی تھیں اور غنیمت اگر بہ حکم امام حاصل ہوئی ہے تو اُس میں سے خمس نکل کے باقی میں تقسیم شرعی جس کی تعریف کتاب الجہاد میں کتب فقہ کی ہوئی ہے جاری ہوگی۔ اور اگر جہاد بے اذن امام ہو تو جو غنیمت حاصل ہوئی ہے وہ بیش تر علماء امامیہ کے نزدیک مال امام وقت کا ہے۔ اگرچہ یہ امر محتاج استدلال کا اور نقل عبارات کتب فقہ کا نہیں ہے۔ مگر بنا بر رفع اوہام عوام کے عبارت شرائع الاسلام اور مدارک شرح شرائع الاسلام کی جو بہت مشہور اور متداول کتاب ہے یہاں نقل کی جاتی ہے۔ شرائع میں لکھا ہے وما یغنمہ المقاتلون لغیر اذنہ فھولہ علیہ السلام یعنی جس مال کو کہ لڑنے والے بغیر اذن امام کے غنیمت میں پاویں وہ سب مال امام کا ہے۔ مدارک میں علی مانقل عنہ لکھا ہے ھذا الحکم ذکرہ الشیخان والمرتضی واتباعھم وظاھر المصنف فی النافع التوقف فی ھذا الحکم وقوی العلامۃ مساواۃ ما یغنم لغیر اذن الامام لما یغنم باذنہ وھو جید۔ یعنی جو حکم شرائع میں بیان ہوا ہے اُس کو ذکر کیا ہے شیخ مفید اور شیخ الطائفہ

محمدؒ بن الحسین الطوسی اور سید مرتضےٰ اور اُن علماء نے جو اُن کے پیرو ہیں۔ مگر شیخ ابوالقاسم یعنی مصنف شرائع نے مختصر نافع میں اس مسئلہ میں توقف کیا ہے اور علامہ نے برابر قرار دیا ہے اُس مال کو جو بغیر اذن امام غنیمت میں آوے اور جو بہ اذن امام غنیمت میں آوے۔ اور یہی قول زیادہ مضبوط ہے۔ اب راقم حقیر کہتا ہے کہ بہر صورت اگر مال غنیمت بلا اذن امام حاصل ہوا اور وہ غانمین کا حق قرار نہ پایا تو یہ کسی کا قول نہیں ہے کہ اُس حالت میں وہ کسی کا ملک نہیں ہوتا بلکہ جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ مال غنیمت جو بغیر اذن امام حاصل ہوا ہے غانموں اور غازیوں کی ملک نہیں ہوتا وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ملک امام ہو جاتا ہے۔ پس اگر بنا بر اس صورت کے فرض کیا جاوے کہ حضرت شہربانو غنیمت میں آئیں اور وہ کفر کی حالت پر اُس وقت تک باقی تھیں کہ جب تلک حضرت امام حسینؑ کو عطا ہوئیں اور پہلے سے اسلام نہیں لائی تھیں تو اگر غانموں کو کوئی حق اُن پر نہ تھا تو وہ ملک امام وقت یعنی جناب امیر علیہ السلام کی تھیں۔ اور جناب امیر علیہ السلام کا

بہ طیب خاطر راضی ہونا اس امر پر کہ وہ حضرت امام حسینؑ کو عطا ہوں
ایسا واضح اور ثابت ہے کہ اس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا اور
کوئی شک نہیں کر سکتا۔ البتہ اگر کوئی ایسا شخص کسی عورت کو یا
کسی مال کو غنیمت کے حاصل کرتا جس سے حضرت ناراض ہوتے
تو اُس کو البتہ امامیہ کے نزدیک تصرف اُس عورت پر یا اُس مال
پر جائز نہ ہوتا۔ مگر جب جناب امیر علیہ السلام خود بانی اور شریک
اس امر میں تھے تو حضرت امام حسین علیہ السلام پر اُن کے حلال ہونے
میں کوئی شبہ وشک العیاذ باللہ اس طرح سے بھی پیدا نہیں ہو سکتا
ہے۔ امامیہ زمانِ غیبت حضرت امان زمان میں جو مال دار الحرب
سے بغیر اذن امام حاصل ہو اُس کا تصرف اس بنا پر جائز جانتے
ہیں کہ حضرت امام زمان اور آئمہ سابقین کی طرف سے عین اُسکے
تصرف کی اجازت ملے۔ شرائع اور جواہر الکلام کی عبارت یہاں
بہ طور استشہاد کے نقل کی جاتی ہے اگرچہ کچھ زیادہ ضرورت
نہ تھی اس لئے کہ یہ مسئلہ معروف ومشہور اور کل کتب فقہ میں
مذکور اور دائر السنۂ جمہور ہے۔ جواہر الکلام فی شرح شرائع الاسلام

مصنّف جناب شیخ محمد حسن اعلی اللہ مقامہٗ و نور منامہ میں متنِ و شرح کی عبارت کو ممزوج و مخلوط کر کے لکھا ہے ما یوخذ من دار الحرب بغیر اذن النبی و الامام او من اھلھا فی غیر ھا فھو لاخذہٗ کما لا خوذ باذنہ یجوز تملکہ فی حال الغیبۃ لخصوص الشیعۃ رخصۃ منھم علیھم السلام یعنی جو چیز کہ دار الحرب سے یا غیر دار الحرب سے غیر دار الحرب میں حاصل ہو بغیر اذن امام کے وہ مال اس شخص کا ہے جو اُسے لے جائے جس طرح کہ اذن امام سے جو چیز کسی کے ہاتھ آئے وہ مال اُس شخص کا ہوتا ہے جس کے ہاتھ آوے اور اُس پر ملکیت جائز ہے حالت غیبت امام میں خاص شیعوں کے واسطے اس لئے کہ اس بارے میں آئمہ کی طرف سے اجازت ہے۔ پس جب کہ حالت غیبت میں مال امام کل شیعوں پر بہ سبب اباحت کے مباح ہوگیا تو جب کہ جناب امیر علیہ السلام موجود تھے اور اور اُن کی رضامندی اور خوشی سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے قبضہ میں کوئی چیز آوے اُس کے مباح ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اور اس بیان سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ امامیہ جو اس بات کے

قائل ہیں کہ خلافت ظاہری ان لوگوں کی جو جناب امیر علیہ السلام کی
حیات میں حضرت کے سامنے خلیفہ بن گئے تھے صحیح نہ تھی تو بنا برانکے
اصول اور عقائد کے باوصف اس کے کہ خلافت اُن لوگوں کی باطل
ہو کچھ قباحت لازم نہیں آتی اگر بلا عقد حضرت امام حسین علیہ السلام نے
حضرت شہربانو کو حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ سے لے لیا ہو اور جب کہ اُن کے اصول
پر بلا نکاح حضرت شہربانو کا لینا حضرت امام حسین علیہ السلام کے لئے
جائز تھا باوصف اس کے کہ وہ لوگ خلافت پر حق نہیں رکھتے تھے
تو امامیہ پر قائل ہونا صحت خلافت کا اُن لوگوں کی لازم نہیں۔ پس
بعض عوام و جہال اہل سنت جو گمان کرتے ہیں کہ حضرت شہربانو کا
بلا عقد عطا ہونا دلالت اس بات پر کرتا ہے کہ حضرت امام حسین
علیہ السلام اور جناب امیر علیہ السلام کے نزدیک خلافت اور جہاد
اُن لوگوں کا بنا بر اصول مذہب شیعہ سب صحت کے ساتھ تھا یہ گمان
اُن کا شیعوں کے نزدیک محض غلط ہے اور شیعوں کو اس اُن کے
گمان کا قائل اور ملزم ہونا کسی طرح لازم نہیں آتا بلکہ بنا بر اصول
اہل سنت کے بھی اس فعل سے حضرت کے اعتقاد صحت خلافت و

جہاد لازم نہیں واللہ اعلم بالصواب ومنہ ابتغی الاجر و الثواب ۔
بعد تحریر اس مقام کے آٹھویں جلد میں بحار الانوار کی جو ملقب بہ
کتاب الفتن ہے ایک جواب ملاحظہ میں گزرا جو جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ
نے اُس اعتراض کا دیا ہے جو مخالفین امامیہ کی طرف سے امامیہ پر
اس بنا پر وارد کیا گیا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام اُن لوگوں کو جنھیں
خلفاء ثلثہ نے اور اُن خلفاء کے اتباع نے گرفتار کیا تھا مثل آور[1]
ابن الحنفیہ کے اپنے تصرف میں لائے ۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے
کہ افعال حاکمانہ اور امیرانہ خلفاء مذکورین کے جناب امیر علیہ السلام
کے نزدیک صحیح تھے ۔ اور اس امر سے صحت خلافت اُن کی جناب امیر
علیہ السلام کے نزدیک مستنبط ہوتی ہے ۔ جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ نے
اس اعتراض کا جواب دو طرح پر دیا ہے ۔ چنانچہ دوسرا طریقہ جو جواب
کا انھوں نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ جن لوگوں کو حضرت ابو بکرؓ اور اُن کے
اتباع نے گرفتار کیا تھا وہ مخالفین امامیہ اہل سنت وغیرہ کے نزدیک

(۱؎ غالباً یہ جملہ غلط اور صحیح اس طرح ہے "مثل مادر محمد ابن الحنفیہ کے" ۱۲ ناقل)

کافر تھے اور کافر پر تصرف ہر شخص کا روا ہے اگرچہ یزید و زیاد اُن کفار کو گرفتار کر کے لائے ہوں۔ مطلب اس کلام کا جناب شیخ کے بھی وہی ہے جو راقم حقیر نے بیان کیا ہے کہ کفار کو تصرف میں لانے کے لئے کوئی ضرورت اس امر کی نہیں کہ وہ جہاد جائز اور اُس جہاد میں گرفتار ہو کے آویں جو بہ حکم امام ہو بلکہ چاہیئے اُن کو جو شخص گرفتار کرے تصرف اُن پر جائز ہوگا۔ اور اصل الفاظ عربیہ جناب شیخ یہ ہیں الذین سباھم ابوبکر کانوا عندہ لم قادحین فی نبوۃ رسول اللہ کفار انکا حھم حلال لکل احد و لو کان الذین سباھم یزید و زیاد۔ بہر حال جیسا ہم نے اوپر بیان کیا کہ ولادت حضرت کی بلا اختلاف برابر اکثر اقوال بہ مقام مدینہ ہوئی ہے۔ اگر شیخ مضید وغیرہ کے قول کو بالکل اعتبار کریں تو غالباً ولادت حضرت کی بہ مقام مدینہ نہ ہوئی ہوگی بلکہ کوفہ وغیرہ میں۔ اور روز ولادت حضرت کا بنابر بیان جناب علی ابن عیسے الاربلی کتاب کشف الغمہ میں اور بنابر قول بہت اور محدثین و مورخین کے روز پنجشنبہ اور بنابر بیان جناب علامہ طبرسی کتاب اعلام الورے میں۔ اور بہ قول بیش تر محدثین و

مورخین روز جمعہ اور بنا بر نقل جناب مولانا علی ابن ابراہیم کفعمی
اور بعض اقوال کہ روز یکشنبہ تھا۔ اور بہ اتفاق کل راویوں
کے حضرت کی ولادت دن کو ہوئی ہے۔ اور تاریخ و ماہ ولادت
حضرت کا بنا بر روایت کفعمی کتاب جنۃ الامان الواقیہ مشہور بہ
مصباح کفعمی میں اور نقل ہے۔ اور نقل جناب سید علی ابن
طاؤس علیہ الرحمہ۔ کتاب الاقبال میں حدائق الریاض سے
شیخ مفید کی۔ اور بنا بر بیان جناب سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ
مصباح زائر میں اور بنا بر اقوال چند علماء و مورخین و محدثین
کے پندرھویں جماد ے الاولٰے۔ اور بنا بر قول علامہ مازندرانی
کتاب المناقب میں اور بنا بر نقل جناب مولانا المجلسی علیہ الرحمہ کتاب
بحار میں تاریخ غفاری سے پندرھویں جماد ے الثانی۔ اور بنا بر
قول جناب شہید اول کتاب دروس میں اور بنا بر بیان نورالدین علی
مالکی کتاب الفصول المہمہ میں اور بنا بر بیان جناب علی ابن عیسیٰ الاربلی
کتاب کشف الغمہ میں اور بنا بر قول اکثر مورخین مذہب امامیہ و
مخالفین کے پانچویں شعبان۔ اور بنا بر نقل جناب مولانا المجلسی کتاب

بحار میں ازروئے بعض اقوال آٹھویں شعبان۔ اور ازروئے بعض اقوال ساتویں شعبان۔ اور بنابر نقل جناب مرحوم مرقوم کتاب روضۃ الواعظین علامہ نیشاپوری سے بنابر ایک قول کے اور اسی طرح بنابر نقل جناب علامہ طبرسی کتاب اعلام الورٰے میں بنابر ایک قول کے نویں شعبان ہے۔ اور سال ولادت حضرت کا بنابر اکثر و اشہر اور مطابق روایت شیخ ابن الخشاب کتاب موالید اہل البیت میں حضرت صادق علیہ السلام سے۔ اور بنابر تصریح جناب ثقۃ الاسلام کتاب کافی میں اور جناب شیخ الطائفہ کتاب تہذیب الاحکام اور بنابر قول اکثر و اغلب علماء فریقین ۳۸ھ اڑتیس ہجری اور بنابر بعض اقوال منقولہ بحار و کتاب المناقب ابن شہر آشوب علیہ الرحمہ ۳۷ھ سینتیس ہجری اور بنابر بعض اقوال منقول کتاب مذکور کے ۳۶ھ چھتیس ہجری ہے۔ اور یہی بیان ہے جناب سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ کا کتاب اقبال میں اور کتاب مصباح زائر میں بطریق نقل بحار۔ اور بنابر اس قول کے آنحضرت کی والدہ عہد حضرت عثمانؓ میں ثابت ہوتا ہے جیسا کہ سابقہ بیان ہوا۔ اور علاوہ اُن وجوہ و مرجحات کے

جو سابق بیان ہو چکے چونکہ یزدجرد ۳۱ سنہ اکتیس میں مارا گیا ہے
پس بعد اس سنہ کے گرفتار ہونا اس کی اولاد کا اور مدینہ میں آنا عہد
عثمانؓ میں اور ملنا حضرت شہر بانو کا جناب امام حسین علیہ السلام کو
بہ عہد عثمانؓ اور پیدا ہونا حضرت امام زین العابدینؑ کا سنہ چھتیس
میں کہ اوایل زمانہ خلافت جناب امیر علیہ السلام ہے نہایت اقرب
النسب و اصوب معلوم ہوتا ہے اور بنا بر اس قول کے یعنی اگر ولادت
حضرت کی سنہ چھتیس میں ہو تو ولادت حضرت کی مدینہ میں جو بلا
خلاف اکثر علما، نے لکھی ہے پائی جاوے گی۔ بہ خلاف اس بات
کے کہ ولادت حضرت کی سنہ اڑتیس میں ہو اس وجہ سے کہ ۳۸ سنہ
اڑتیس میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا جناب امیر علیہ السلام کے
ساتھ مدینہ میں باہر ہونا بلکہ ۳۷ سنہ سینتیس میں بھی باہر ہونا ظاہرا
معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ۳۶ سنہ چھتیس میں جناب امیر علیہ السلام
نے مدینہ سے کوچ کیا ہے اور اسی سال جمادی الآخر میں جنگ جمل
ہوئی ہے اور اسی سال بعد فراغ جنگ حضرت نے کوفہ میں آکے
بہ جانب صفین کوچ کیا ہے۔ اور ۳۷ سنہ سینتیس میں جنگ صفین واقع

ہوئی ہے اور ۳۸ھ اڑتیس میں حضرت کوفہ میں تھے۔ پس اگر اس سفر میں جو مدینہ سے حضرت امام حسین علیہ السلام نے بہ تبعیت جناب امیر علیہ السلام فرمایا تھا عیال حضرت کے منجملہ اُن کے والدہ جناب امام زین العابدینؑ کی تھیں حضرت کے ہمراہ ہوں تو ولادت حضرت کی مدینہ میں ممکن نہیں۔ اور اگر حضرت اہل وعیال کو مدینہ میں چھوڑ گئے ہوں تو جب بھی ۳۸ھ اڑتیس میں تولد حضرت امام زین العابدینؑ کا مدینہ میں ممکن نہیں۔ مگر چونکہ یہ قول نہایت مشہور اور متفق علیہ اکثر کا ہے اور ایک حدیث بھی اس مضمون کی ہے تو ہوسکتا ہے کہ اس قول کو یعنی ۳۸ھ اڑتیس میں حضرت کے تولد کو ترجیح دی جاوے۔ خصوصاً بہ نظر اس روایت کے کہ جو کتاب کافی میں حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت نے ۹۵ھ پچانوے میں ستاون برس کے سن میں انتقال کیا۔ اس لئے کہ اس حساب سے بھی اڑتیس سن میں تولد حضرت کا ضرور معلوم ہوتا ہے۔ اور درصورت ترجیح دینے اس قول کے کہ ولادت حضرت کی ۳۸ھ اڑتیس کی ہے ضرور ہے کہ اُن اقوال کو مطرود کر دیا جاوے

جن میں یہ بیان ہوا ہے کہ حضرت کی ولادت بہ مقام مدینہ ہوئی۔ اور اگر ۳۶ سنہ چھتیس میں ولادت حضرت کی تسلیم کی جاوے تو یہ امر لازم آوے گا کہ عیال جناب امام حسین علیہ السلام کے سب عموماً بالخصوص والدہ جناب امام زین العابدین علیہ السّلام مدینہ سے حضرت امام حسین علیہ السّلام کے ہمراہ نہیں نکلے۔ اس لئے کہ اکثر اقوال میں یہی وارد ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام جمادے الآخر میں یا اُس کے بعد متولد ہوئے ہیں اور جماد ے الآخر میں جنگ جمل واقع ہوئی ہے جس میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا شریک و موجود ہونا تاریخ سے بخوبی ثابت ہے اور جب کہ حضرت امام حسین علیہ السّلام جناب امیر علیہ السّلام کے ہمراہ تھے تو یہ امر بعید ہے کہ عیال جناب امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ نہ ہوں بلکہ ظاہر یہی ہے کہ ہمراہ تھے۔ اور جب کہ یہ امر تسلیم کر لیا جاوے کہ عیال جناب امام حسین علیہ السّلام کے سفر بصرہ میں ہمراہ تھے تو یہ قول خود بخود باطل ہو جاوے گا کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام مدینہ میں متولد ہوئے ہیں۔ اور

اگر ۳۸ھ اڑتیس میں ولادت حضرت کی فرض کی جاوے تو
تو نہایت بعید ہے بلکہ ناممکن ہے کہ ولادت حضرت کی بہ مقام
مدینہ ہوئی ہو۔ اور جناب شیخ الطائفہ محمد بن الحسن الطوسی
تہذیب الکلام میں جو حضرت کی ولادت مدینہ میں لکھتے
ہیں اور ۳۸ھ اڑتیس میں بھی لکھتے ہیں تو بلا غور و امعان
نظر انھوں نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ ورنہ کوئی شبہ نہیں
ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام ۳۶ھ چھتیس سے
جناب امیر علیہ السلام کے ہمراہ بصرہ و کوفہ و صفین
وغیرہ میں تھے۔ پس کیونکر ہوسکتا ہے کہ امام زین العابدین
علیہ السلام ۳۸ھ اڑتیس میں مدینہ میں متولد ہوئے ہوں
اگرچہ عیال و اطفال جناب امام حسین علیہ السلام علی العموم یا
والدہ امام زین العابدین علیہ السلام بالخصوص کوفہ میں جناب
امیر علیہ السلام کے ہمراہ ہوں۔ گو کہ ان کا بھی ہمراہ نہ ہونا
نہایت بعید از قیاس ہے۔ اس لئے کہ تاریخ سے عیال
حضرت امام حسین علیہ السلام کا ساتھ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

اور جس طرح کہ اس کتاب میں ہر چیز پر غور و خوض بہ خوبی کیا گیا ہے جناب شیخ الطائفہ سے یہ کسی طرح متصور نہیں ہے کہ وہ بھی اسی طرح پر امر جزوی میں جو متعلق حالات ائمہ معصومین علیہم السلام کے ہیں غور و خوض فرماتے ہوں۔ بلکہ بہ سبب کثرتِ تصانیف و وفور اشغال کے جناب موصوف نے اور امور ضروری میں بھی زیادہ خوض نہیں فرمایا۔ تو ایسے امور جزئیہ کی طرف جس کی طرف کبھی کوئی عالم متوجہ نہیں ہوا زیادہ متوجہ ہونا اُن کا گویا محالات محضہ سے ہے۔ بہر حال اُن کے اس فرمانے سے کہ حضرت ۳۸ھ اڑتیس میں بمقام مدینہ متولد ہوئے یہ امر لازم نہیں آتا کہ اُن کے نزدیک یہ ثابت ہو بلکہ خواہ ایک روایت میں انھوں نے یہ لکھا پایا یا دو روایتوں سے علیحدہ علیحدہ اُن کو یہ دونوں امر معلوم ہوئے۔

بہرحال بلاشبہ یا تو سنہ ۳۸ اڑتیس میں تولد حضرت کا غلط ہے یا مدینہ میں تولد حضرت کا غلط ہے۔ فقط